پیش لفظ

ایک زمانہ میں جب میں محض ایک قاری تھا تو لائبریرین حضرات میری تیز رفتاری سے عاجز تھے روزانہ دو تین نئے ناول مہیا کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جن کتب کے اعلان کے بعد پبلیشر حضرات وقت پر انکو چھاپنے سے قاصر رہتے تھے ان کو عجیب عجیب انداز میں برا بھلا کہتا لائبریرین حضرات اس معاملے میں میری ہمنوائی کرتے کیونکہ مجھ جیسے نہ جانے کتنے قاری کتب وقت پر نہ آنے کی وجہ سے انھیں تنگ کرتے تھے۔ اس وقت ذہن کے بعید ترین گوشے میں بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کبھی خود بھی اس پوزیشن میں آنا پڑیگا کہ قارئین برا بھلا کہیں۔ پیٹھ پیچھے نہیں بلکہ سامنے یہ اور بات ہے کہ انھیں معلوم نہ ہو کہ جسے وہ برا بھلا کہہ رہے ہیں وہ انکے سامنے بیٹھا بے بسی سے ان کی تائید میں گردن ہلا رہا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ کوئی بات کہنے سے پہلے سوچ لو ایسا نہ ہو کہ وہ بات خود تمہارے ساتھ بھی ہو جائے۔

ازراہِ مہربانی لائبریرین حضرات کو ایسی ترکیبیں بھی بتائی جاتیں جس پر عمل کر کے پبلشر ٹھیک وقت پر کتابیں شائع کر سکتے تھے۔ اتنی توفیق کبھی نہیں ہوئی کہ براہ راست کسی پبلشر کو لکھ بھیجتے۔ اور یہ اچھا ہی ہوا۔ ممکن تھا کہ کوئی پبلشر صاحب اس خط کو ریکارڈ میں رکھ لیتے اور اب دکھاتے پھرتے۔ تحریر اپنی ہی ہوتی۔ اس لئے انکار مشکل تھا۔ جبکہ اس وقت بڑی آسانی سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ صاحب ہم نے تو کوئی تجویز پیش نہیں کی تھی۔ کیوں۔؟ یہ کوئی بری بات تھی اور سیاستدان جو آئے دن اپنے بیانات تبدیل کرتے رہتے ہیں تو وہ کچھ نہیں۔ کبھی آپ نے ان سے بھی پوچھا کہ صاحب یہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں صاحب زبردست کا ٹھینگا سر پر۔ ان سے کون پوچھے۔ کس کی شامت آئی ہے۔

بات میں سے بات نکلی چلی آ رہی ہے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ایک تجویز جو

لائبریرین حضرات کے سامنے پیش کی تھی آپ بھی سن لیجئے تا کہ اگر آپ پبلشنگ کریں تو کام آئے۔ ترکیب یہ تھی کہ پبلشر حضرات کو چاہیے کہ کم سے کم تین چار مسودات کا انتظام کریں۔ ایک مارکیٹ میں دیں۔ ایک تیار رکھیں۔ تیسرا پریس میں ہو اور چوتھا کتابت میں۔ اس طرح پوری پابندی کے ساتھ کتب بازار میں آسکیں گی۔

دیکھا کیسی شاندار ترکیب ہے۔ کسی کو بتایئے گا نہیں۔ ایسے قیمتی راز سینہ بسینہ منتقل ہونے چاہییں تا کہ ایک دن وہ آئے کہ سارے راز قبر میں پہنچ جائیں اور نئی پود محروم ہو جائے کہ ہمارے یہاں کی یہی ریت ہے۔

۶۲ء میں جب پبلشنگ شروع کی گئی تو ساری اسکیمیں دھری رہ گئیں اور ایچ اقبال صاحب کے پچھتر فیصدی ناولوں کے پیش لفظ میں یہی معذرت ہے کہ صاحب اس مرتبہ کتاب لیٹ ہوگئی ہے آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔ اگلی کتاب میں پھر یہی معذرت۔ ایک بات تو تنگ آ کر میں نے سوچا کہ پیش لفظ کے بجائے اسکا عنوان ''معذرت نامہ'' رکھ دوں۔ (آخر مختلف لوگوں نے پند نامہ۔ آمدن نامہ۔ نصیحت نامہ وغیرہ بھی لکھے ہیں یا نہیں۔ لیکن پھر یہ سوچ کر ارادہ ترک کر دیا کہ کہیں لوگ جاسوسی ناول کو ''پند نامہ'' قسم کی کوئی چیز سمجھ کر پڑھنا ہی نہ چھوڑ دیں۔ کیونکہ ہمارے یہاں اب ایسی چیزوں کا رواج ذرا کم ہو گیا ہے۔ فیشن کے خلاف ہیں نا یہ چیزیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اپنا پیش لفظ اب ایچ اقبال صاحب نے خود ہی سنبھال لیا ہے۔

بڑی مصیبت ہے صاحب دو صفحے پورے ہونے کو آئے لیکن جو بات کہنا چاہتا ہوں اس کا ذکر تک نہیں آیا۔ لیجئے پھر کوشش کرتا ہوں۔ کہنا یہ ہے کہ جب مسرور صدیقی کے ناول چھاپنے کا پروگرام بنا تو سابقہ تجربہ کی بنا پر یہ طے کیا کہ پہلے مسرور صدیقی صاحب سے کم سے کم چھ ناول لکھوا لئے جائیں اس کے بعد انور سیریز

شروع کیا جائے ادھر یہ پروگرام بن رہا تھا اور ادھر تقدیر کھڑی مسکرا رہی تھی۔

دو ناول لکھنے کے بعد مسرور صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے کہنے لگے کہ ناول لکھنے میں دل نہیں لگ رہا ہے۔ وجہ یہ بتائی کہ تم چھاپ تو رہے نہیں ہو۔ ممکن ہے کہ میں ناول لکھ لوں اور تم چھاپنے سے ہی انکار کر دو۔ یہ سنکر غصہ تو بہت آیا لیکن مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق انکی ہمت افزائی کے لئے پہلا ناول کرنل گرین چھاپ دیا۔ یہ وعدہ پہلے ہی لیا تھا کہ کرنل گرین کے شائع ہونے کے بعد وہ کم سے کم دو ناول ضرور دیں گے تب ہی دوسرا ناول شائع کیا جائے گا۔ انھوں نے وعدہ تو فوراہی کر لیا تھا لیکن نبھا نہ سکے۔ صرف تیسرا ناول مکمل کیا اور چوتھا تھوڑا سا لکھا تھا کہ گاڑی پھر ٹھپ ہو گئی۔ یہ معلوم کرنے پر کہ اب کیا بات ہے۔ جواب ملا کہ تم پابندی سے تو ناول شائع کر نہیں رہے ہو لکھتے کو دل نہیں چاہتا۔ جب میں نے انھیں پروگرام یاد دلایا تو کہنے لگے کہ ہوں وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں کیا کروں۔ (مطلب یہ کہ پنچوں کا فیصلہ اپنی جگہ پر۔ پر نالہ وہیں گرے گا)۔ دو چار ناول بلیک شائع کر دیا۔ کرنل بلیک شائع ہونے پر کچھ شوق پیدا ہوا اور جلدی جلدی چوتھا ناول (یعنی موجودہ ناول ''سرخ آنکھ'') پورا کر کے پانچواں ناول شروع کر دیا۔ میں اس انتظار میں رہا کہ اب وہ پانچواں ناول دیں تو میں تیسرا ناول شائع کروں۔ اس انتظار میں کئی مہینے گذرے گئے لیکن ناول آج ملتا ہے نہ کل۔ دو چار بار کے تقاضوں کے جواب میں پہلے ٹالم ٹول اور پھر آخر میں وہی مرغے کی ایک ٹانگ میں ابھی مرغے کی دوسری ٹانگ تلاش کرنے کی سوچ رہا تھا کہ آنجناب لندن سدھار لئے وہاں جا کر رسید کا خط تو اس وعدہ کے ساتھ بھیج دیا کہ جلد ہی پانچواں ناول مکمل کر کے بھیج دے گے۔ لیکن ان کی یہ جلدی چھ ماہ بعد ہوئی۔ پانچویں ناول کا مکمل مسودہ اس خوشخبری کے ساتھ ملا کہ چھٹا ناول قسطوں مین روانہ کرونگا اور آپ ساتھ ساتھ کتابت کرائے جائیں، میں بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا کہ انکی بات پر یقین کر لیتا اس لئے خاموشی سے قسطوں کا انتظار

کرتا رہا جو ابھی تک جاری ہے۔ حالانکہ وہ خود اس وقت کراچی میں موجود ہیں۔ اس دوران میں تیسرا ناول موت کا غسل شائع کیا جا چکا تھا۔

لندن سے واپسی کے بعد مسرور صدیقی صاحب نے ناول لکھنے کے سلسلے میں جس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا ہے اس سے اندازہ تو یہی ہے کہ اب پابندی سے ناول لکھیں۔

انور سیریز کی اب تک کی کہانی تو میں نے آپکو سنا دی۔ اب شاید آپ یہ جاننا چاہیں کہ یہ ناول کیسا ہے۔

اگر آپ نے انور سیریز کے سابقہ تینوں ناول کرنل گرین۔ کرنل بلیک اور موت کا غسل پڑھے ہیں تو آپکو اندازہ ہوگا کہ ان کا ہر نیا ناول اپنے پیش رو سے بہتر رہا ہے۔ اس ناول کو بھی آپ بہتر پائیں گے۔ میں نے اردو اور انگریزی کے مجموعی طور پر ہزاروں ناول پڑھے ہیے اور میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ مسرور صدیقی کا طرز نگارش اپنی جگہ بالکل الگ ایک منفرد انداز لئے ہوئے ہے۔ اپنے اسی انداز بیان کی بنیاد کی پر انھیں جاسوسی ناول نگاروں کی صف میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ وہ اپنے ناولوں میں سراغرسانی کے ساتھ ساتھ جذبات کو بھی بدرجہ اتم پیش کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفسیات پر موصوف کی کتنی گہری نظر ہے اور وہ انسانی جذبات و احساسات سے کتنی اچھی طرح واقف ہیں پلاٹ کی نیرنگی۔ انداز بیان کی سلاست اور روانی تحریر کی شگفتگی۔ ایسی خصوصیات ہیں جو آپکو کسی اور کے یہاں مشکل ہی سے ملیں گی۔ البتہ ایک خامی مسرور صدیقی کے ناولوں میں ابھی کچھ باقی ہے۔ اسکا ذکر میں پہلے بھی کر چکا ہوں وہ ہے اندازہ بیان کا اکھڑا اکھڑا ہونا۔ اسکی وجہ بھی محض یہ ہے کہ انھیں اردو لکھنے کا موقع بہت کم ملا ہے۔ جوں جوں وہ لکھتے ہیں یہ خامی دور ہوتی جائے گی۔ اب بھی اس میں کافی کمی آ گئی ہے۔ پورے ناول میں تین چار جگہ ہی ایسا احساس ہوتا ہے۔ اس خرابی کو کافی حد تک ان

کی ایڈیٹنگ نے دبا دیا ہے۔ جس انداز میں وہ اپنے ناول کی ایڈیٹنگ کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درجنوں ناول ان کے قلم سے نکل چکے ہیں۔ یا پھر لکھنے سے پہلے وہ بہت زیادہ سوچنے کی عادی ہیں۔

اب آپ ناول کا مطالعہ کیجئے۔ اور اپنی گرانقدر رائے سے نواز کر ہمیں شکریہ ادا کرنے کا موقع دیں۔

احمد سعید

۸ ستمبر ۱۹۷۰ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

فرض شناسی

پروفیسر افغانی نے کار روک لی۔

سب سے پہلے طاہر کرامت کار سے اترا۔ اس کے پیچھے نصیر الدین تھا۔ اگلی سیٹ سے پروفیسر افغانی بھی اتر آیا۔ لیکن نیر اپنی کتاب میں لگن رہا

''اب اتر بھی آؤ۔'' طاہر کرامت نے کار میں جھانکتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

''ہوں!'' نیر نے کتاب سے نظر میں اٹھا کر دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے کہا۔'' یار تم لوگ کام کر آؤ میں کار کا خیال رکھتا ہوں۔''

''کار کو اس کے حال پر چھوڑیے اور باہر تشریف لے آیئے!''

''یار تم لوگ چین نہیں لینے دیتے۔ کتنا مزا آ رہا ہے کتاب میں۔

''او۔ منیر کے بچے! کیا کتاب چھینی پڑے گی۔'' نصیر الدین نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''اچھا بھائی اچھا۔'' نیر منان نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔ پھر بینک کی عمارت کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''چلو''

وہ بینک کے دروازے کی طرف بڑھے۔

یونیورسل بینک کی عمارت بڑی شاندار تھی۔ نیر منان بینک کے بوڑھے دربان کے پاس سے گزرتا ہوا بولا۔'' ان حضرات کی ڈیوٹی بھی خوب ہے۔ سارے دن بندوق کندھے سے لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ کچھ کرنا نہ کرانا۔ بھائی مفت کی کھاتے ہیں۔ میں ان کی روزی کو حلال کی نہیں سمجھتا۔

بوڑھے دربان نے نیر کی بات سنکر اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں غصہ یا کینہ کی بجائے شفقت آمیز فہمائش تھی۔

''تم کچھ سوچتے ہو نہ سمجھتے ہو بس پٹ سے بول دیتے ہو۔'' نصیر الدین نے تیز لہجے میں کہا۔ وہ بیچارہ کیا سوچتا ہوگا۔''

''میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس بینک پر ڈاکو حملہ کر یں تو بڑے میاں رائفل چھوڑ کر بھاگ نکلیں گے۔''

اس دوران میں یہ لوگ بینک کے بڑے ہال میں پہونچ چکے تھے۔ ہاں میں چار مسلح چوکیدار اور بھی تھے جو مختلف جگہوں پر بیٹھے بظاہر مکھیاں مار رہے تھے۔

بینک کا کاروبار زوروں پر تھا۔ روپیہ جمع کرنے اور وصول کرنے والی کھڑکیوں پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔

نصیر الدین ڈائمنڈ ٹیکسٹائل ملز کا مینیجنگ ڈائریکٹر تھا۔ مل کے ملازموں کو بونس دینے کے لیے اسے روپوں کی ضرورت تھی وہ چیک لے کر کیش کرانے بینک آیا تھا سیکرٹ فورس کے دوسرے ممبران۔ نیر منان۔ طاہر کرامت اور پروفیسر افغانی جو اسوقت آفس میں موجود تھے اس کے ساتھ ہی چلے آئے تھے۔ نصیر الدین قطار میں جا کھڑا ہوا۔ اور اس کے ساتھی باہم باتیں کرتے رہے۔ موضوع اب بھی بینک اور اس کے چوکیدار تھے۔ نیر بضد تھا کہ بینک کے چوکیداروں کو مفت کی تنخواہ ملتی ہے۔ ان کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور جب ضرورت پڑتی ہے تو ناکارہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں اس نے مسلم بینک کی مثال دی جہاں چند دن قبل ڈاکہ پڑا تھا اور وہاں پر موجود چوکیدار کچھ بھی نہ کر سکے تھے۔

''وہ بے بس ہو گئے تھے۔'' پروفیسر افغانی نے اس کی بات سن کر کہا۔ ''حملہ بہت منظم تھا۔ جو کیداروں کی رائفلیں ڈاکوؤں کی مشین گنوں کا مقابلہ کیسے کر سکتی تھیں۔''

''دوسری بات یہ کہ وھائٹ گینگ کی سفاکیوں کا آج کل بہت شہرہ ہے۔ اور حملہ آور وھائٹ گینگ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے بینک میں داخل ہوتے ہی وھائٹ گینگ کا نعرہ لگایا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تم بھی وہاں موجود ہوتے تو کچھ نہ کر سکتے۔'' طاہر کرامت نے افغانی کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''وھائٹ گینگ از نتھنگ۔ نیر نے منہ بنا کر کہا۔ لوگوں نے خواہ مخواہ اسے ہوا بنا

رکھا ہے۔

وھائٹ گینگ بہت منظم گروہ ہے۔ پروفیسر افغانی نے سبتاً لہجے میں کہا۔ ''ڈاکٹر مسعود اسے اہمیت دینے لگے ہیں عنقریب وھائٹ گینگ کا فائل ہم میں سے کسی کو ملنے والا ہے۔

''پچھلے چند دنوں سے اس گروہ نے اپنی کاروائیاں کچھ اتنی تیز کر دی ہیں کہ ہمیں اس کی طرف توجہ دینی ہی پڑے گی۔

''وھائٹ گینگ معمولی ڈاکوؤں کا گروہ ہے۔ یہ زیادہ دن نہ پنپ سکے گا۔'' نیر منان نے کہا۔ اور نصیر الدین کی طرف دیکھنے لگا جو ٹوکن ہاتھ میں لیے چیک کا انتظار کر رہا تھا۔ اپنا نمبر آتے ہی اس نے اپنا چرمی بیگ کھول کر نوٹوں کی گڈیاں اس میں رکھ لیں۔

اور اسی وقت بینک میں ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ دو تین آدمی اونچے کاؤنٹر پر چڑھ گئے۔ وہ ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ ان کے چہروں پر لمبی لمبی داڑھیاں تھیں جو نقلی رہی ہوں گی اور آنکھوں پر ''لون رینجر'' ٹائپ کے سفید نقاب تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ہلکی مشین گنیں تھیں۔

ان کے علاوہ کچھ اور نقاب پوشوں نے ہال میں مختلف مقامات پر مورچے سنبھال لئے تھے۔ ہر دروازے اور ہر کھڑکی کے پاس ایک نقاب پوش موجود تھا۔ ہر ایک کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی ہتھیار تھا۔ کچھ نقاب پوشوں کے ہاتھ میں لمبے لمبے تھیلے تھے۔ ایک میز پر کھڑے ہوئے دو نقاب پوشوں میں سے ایک کے ہاتھ میں میگا فون تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں مشین گن تھی جس سے وہ اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ میگا فون والے نے کڑکتی ہوئی تیز آواز میں ہال میں موجود لوگوں سے کہا۔ ''جو جہاں ہے وہیں رہے۔ ورنہ اپنی موت کو خود ذمہ دار ہوگا۔ بینک پر اس وقت وھائٹ گینگ کا قبضہ ہے۔ حرکت کرنے والے کو فوراً گولی ماردی جائے گی۔

بینک میں موجود لوگوں کے چہروں کے اوپر ہوائیں اڑنے لگیں۔ ہال میں موجود چند خواتین کی چیخیں بھی نکل گئیں۔ چوکیداروں کا حال بھی دوسروں سے مختلف نہیں تھا۔ وہ بندوقیں پھینک کر ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔ اور ایک ایک نقاب پوش ان کے سر پر مسلط تھا۔

نصیر الدین چرمی بیگ کو ہاتھ میں لٹکائے کاؤنٹر کے پاس کھڑا تھا۔ بینک کے صدر دروازے سے کچھ ہی فاصلہ پر طاہر کرامت، پروفیسر افغانی اور نیر منان کھڑے تھے۔ وہ خوفزدہ تو نہیں تھے لیکن حیرت زدہ ضرور تھے۔

''کتنا منظم حملہ ہے۔'' پروفیسر افغانی نے آہستہ لہجے میں کہا۔ ''یہ سب لوگ اس نے آنکھوں سے نقاب پوشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے تک ہماری ہی طرح بے نقاب تھے۔ کسی کو ان پر دھیان دینے کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اور اب چند سیکنڈ میں سب نے اپنے چہرے نقابوں میں چھپا لئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ حاضرین میں سے ایک شخص بھی دوبارہ ملنے پر انہیں قطعاً نہیں پہچان سکتا۔

نیر منان خاموش تھا۔ وہ مڑ کر دروازے کے باہر دیکھ رہا تھا۔ جہاں ایک آدمی چوکیدار کی وردی میں ملبوس بینک کے بوڑھے چوکیدار کے پاس کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی اس کا رخ بوڑھے چوکیدار کی طرف تھا۔ اور وہ اس انداز میں اس سے کچھ کہہ رہا تھا جیسے دو دوست چوکیدار آپس میں کچھ باتیں کر رہے ہوں۔ لیکن نیر منان کی تیز نظروں نے دونوں کے انداز کا کھنچاؤ محسوس کر لیا۔

ایک سفید نقاب پوش نے بینک کے دروازے کو اندر کی طرف سے بند کرنا شروع کر دیا تھا دوسرا نقاب پوش ایک بڑے سے گتے کو دروازے کی ہتھی سے لٹکا رہا تھا۔ گتا دروازے کے باہری رخ پر ٹانگا جا رہا تھا۔

''واقعی بہت منظم گروہ ہے۔'' نیر منان نے اعتراف کیا۔ ''ایک چوکیدار بوڑھے

چوکیدار کی جگہ لے رہا ہے۔ بینک کا دروازہ بند کیا جا رہا ہے۔ باہر کی طرف جو گتہ لٹکایا گیا ہے اس پر لکھا ہوا ہے۔ حکومت کے چند ذمے دار افسران بینک کا معائنہ کر رہے ہیں اس لئے بینک ایک گھنٹہ کے لئے بند رہے گا۔ جب بند دروازے پر یہ گتہ لگا ہو گا اور ایک چوکیدار نگرانی کے لئے کھڑا ہو گا تو بھلا باہر والوں کو کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

''وہ وھائٹ گینگ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ نتھنگ۔ نیر منان صاحب ابھی انگلی کے ایک اشارے سے پورے گینگ کو پکڑوا دیں گے۔'' طاہر کرامت نے طنزاً کہا۔

''کہہ لو۔ کہہ لو۔ آج تمہیں موقع مل گیا ہے۔'' نیر منان نے بدستور دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بوڑھے چیکیدار کو اندر ہال میں دھکیل کر دروازہ بند کر لیا گیا تھا۔ ایک آدمی نے چوکیدار سے اس کی بندوق چھین لی تھی اور اب اسے کور کئے کھڑا تھا۔ وہ نیر اور اس کے ساتھیوں کے قریب ہی آ کر کھڑے ہوئے تھے۔ صرف چند گز کا فاصلہ تھا۔ نیر منان بوڑھے چوکیدار کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ویران ویران سی آنکھوں میں وحشت اور مایوسی کیس وا کچھ نہ تھا لیکن اس کے برعکس چہرے پر اطمینان اور سکون تھا۔ کسی قسم کی ..... گھبراہٹ یا خوف کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ چہرے پر پھیلے ہوئے نورانی تقدس نے اس احساسات کو اور گھمبیر کر دیا تھا۔

''یہ آدمی دوسروں سے مختلف ہے۔'' نیر منان نے کہا۔

''کون؟'' طاہر کرامت نے پوچھا۔

''یہی چوکیدار۔ اس کے چہرے پر اب بھی اطمینان اور سکون ہے۔

''عمر کا تقاضا ہے۔ اس عمر تک پہونچ کر خدا کے سوا انسان ہر چیز سے بے نیاز سا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کوئی بات حیرت یا خوف کا باعث نہیں رہتی۔'' پروفیسر افغانی نے کہا۔

ہال میں سکوت طاری تھا۔ ہر شخص ساکن تھا۔ صرف چند چند نقاب پوش حرکت کر

رہے تھے۔ کبھی کبھی میگا فون اس سکوت کو توڑ دیتا۔ میگا فون وال سرغنہ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ وہی نقاب پوشوں کو ہدایات دے رہا تھا۔

بینک کے کارندوں سے سیف ڈپازٹ لاکرز کی ماسٹر کنجیاں حاصل کر لی گئی تھیں۔ نقاب پوش لاکرز کھول کھول کر ان میں رکھی ہوئی چیزوں کو بڑے بڑے تھیلوں میں بھر رہے تھے۔ دو تین نقاب پوش ایسے ہی ایک تھیلے میں کاؤنٹر پر موجود رقم سمیٹ رہے تھے۔ کچھ آدمی حاضرین کی تلاشی لے کر ان کی ساری قیمتی چیزیں اپنے تھیلوں میں بھر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے انھیں کسی طرف سے مداخلت یا مقابلہ کا کوئی خوف ہی نہیں تھا۔

ایک نقاب پوش نے نصیر الدین کے ہاتھ سے چرمی بیگ چھین کر تھیلے میں ڈال لیا نصیر الدین نے بڑا برا سا منہ بنایا لیکن کوئی حرکت نہ کی۔ وہ جانتا تھا کہ حرکت کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

طاہر کرامت نے نیر منان پر چوٹ کی ''بھئی تمہارے ساتھی کو لوٹا جا رہا ہے۔ کچھ کرو نا۔ کیا تم بھی بینک کے چوکیداروں کی طرح بیکار ہو گئے۔

نیر منان تلملا کر رہ گیا۔ اسے اپنے کہے ہوئے الفاظ یاد آ رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آدمی کو بغیر سوچے سمجھے کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ لیکن وہ بھی کیا کرتا۔ اپنی عادت سے مجبور تھا۔ اسے کچھ نہ کچھ کہتے رہنے اور خواہ مخواہ تنقید کرنے کی عادت تھی۔ اپنی اسی عادت کے ہاتھوں آج اسے شرمندگی برداشت کرنی پڑ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ان تینوں کا بھی نمبر آ گیا دو نقاب پوش ان کے قریب آئے۔ ایک نے تھیلا سنبھال رکھا تھا دوسرے نے بندوق۔ تھیلے والے نے ان کے کپڑوں کی سرسری سی تلاشی لی طاہر کرامت کا سگرٹ کیس اسے پسند آیا جو اس نے تھیلے ہی میں ڈال لیا۔ ساتھ ہی نیر کی گھڑی اور افغانی کی جیب کی گھڑی بھی تھیلے کی نظر ہو گئی۔

''نیر منان صاحب کیا وقت ہوا ہے۔'' طاہر نے سنجیدگی سے کہا۔

فطری طور پر نیر کا گھڑی والا ہاتھ حرکت میں آیا لیکن خالی کلائی دیکھ کر وہ جھلا گیا۔

طاہر کرامت بے ساختہ ہنس پڑا۔

''میں تو سمجھا تھا کہ رستم دوراں جناب نیر صاحب نے اپنی گھڑی نقاب پوشوں سے بچالی ہوگی۔ لیکن افسوس.....؟

''طاہر اب بس کرو۔ پروفیسر افغانی فہماتشی انداز میں بولا۔'' دیکھو لوگ تمہیں نہتا دیکھ کر کیسے منہ بنا رہے ہیں۔

طاہر کرامت واقعی زور سے ہنسا۔ لوگ اس کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

بعض چہروں پر ناگواری کے تاثرات بھی تھے۔

نقاب پوش! اپنا اپنا کام ختم کر چکے تھے۔ تین نقاب پوش بڑا سا تار پولین کا ایک تھیلا اٹھا کر کھڑے ہو گئے اور ایک ایک کر کے چھوٹے چھوٹے تھیلے اس تھیلے میں ڈالے جانے لگے۔ جلد ہی تمام تھیلے اس میں بھر گئے۔ نقاب پوشوں نے اسے اٹھا کر دروازے کے پاس پہنچا دیا۔

میگافون والے نے میگافون میں کہا۔

''حضرات وھائٹ گینگ کا کام ختم ہو رہا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ مہربانی فرما کر چند منٹ اور صبر سے کام لیں۔ ہمارے لے جانے کے کم از کم پانچ منٹ بعد تک آپ نہ ہلیں۔ اور بینک سے باہر آنے کی کوشش نہ کریں۔ ورنہ اس آخری وقت میں آپ کو گولی کا نشانہ بناتے ہوئے مجھے افسوس ہوگا۔

بینک کے دروازے کو ذرا کھول کر نقاب پوشوں ایک ایک کر کے باہر نکلنے لگے۔ ہال میں صرف تین چار نقاب پوش رہ گئے۔ یہ وہ تھے جن کے ہاتھوں میں مشین گنیں تھیں۔ سرغنہ اپنے ساتھی سمیت نیچے اتر آیا تھا۔

''اب صرف اس تھیلے کو باہر لیجانا باقی رہ گیا ہے۔'' طاہر کرامت نے آہستہ سے کہا۔ ''ہاں! باہر یقیناً کوئی نہ کوئی گاڑی موجود ہوگی۔ باہر نکلنے والوں نے اپنے نقاب اتار لئے ہوں گے اور اس تھیلے کو گاڑی میں لادنے کا بندوبست کر رہے ہوں گے۔ پروفیسر افغانی نے دھیمے لہجے میں کہا۔

دروازہ کھلا اور چار آدمی ہال میں داخل ہوئے وہ رومالوں سے اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے اور خالی وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ جن کی پشت پر بڑے بڑے حروف میں یونیورسل بینک کے الفاظ کڑھے ہوئے تھے۔

''دیکھی ان لوگوں کی چارسوبیسی!'' نیر منان نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''باہر والے جب یہ تھیلا ان لوگوں کو گاڑی میں لادتے ہوئے دیکھیں گے تو یہی سمجھیں گے کہ بینک کا کچھ سامان باہر جا رہا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ جو گاڑی باہر کھڑی ہو اس پر بھی بینک کا نام لکھا ہوا ہو۔''

''وھائٹ گینگ از تھنگ ڈئیر!'' طاہر بے ساختہ بول اٹھا۔ نیر نے پلٹ کر اسے گھورا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔

ہال میں اب صرف تین نقاب پوش تھے۔ دو کے ہاتھوں میں مشین گنیں تھیں اور تیسرے کے ہاتھ میں میگافون۔ ایک نقاب پوش دروازے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اسکارخ اندر ہال کی طرف تھا۔ اور مشین گن گولیاں برسانے کے لئے تیار تھی۔ دوسرا تھیلے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اسکارخ بھی ہال میں موجود خوفزدہ لوگوں کی طرف تھا۔

سردار میگافون ہاتھ میں لٹکائے خاکی وردی والوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ باہر سے ایک نقاب پوش نے دروازے کو ذرا سا کھولا اور اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اور کے باس وی آر ریڈی۔'' یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کرلیا۔

''حضرات! بس چند منٹ کی بات اور ہے۔ ہم دروازہ کھول کر یہ تھیلا باہر لے جا رہے ہیں۔ خبردار کوئی ذرا سا بھی نہ ہلے اور نہ ہی بولنے کی ہمت کرلے۔ مجھے

اب کسی حادثہ کے پیش آنے پر بڑا افسوس ہوگا۔

جس حادثہ کا وہ ذکر کر رہا تھا وہ پیش آ ہی گیا۔!

بوڑھا چوکیدار دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا۔اس نے تیزی سے حرکت کی اور دروازے کے پاس کھڑے ہوئے مشین گن والے پر حملہ کر دیا۔چوکیدار کی ٹکر سے نقاب پوش فرش پر گرنے لگا۔گرتے گرتے بھی اس نے مشین گن کا فائر کر دیا۔جس میں سے ایک گولی خود اس کے خاکی وردی پوش ساتھی کو زخمی کر گئی۔مشین گن اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔اور چوکیدار کے ساتھ گتھم گتھا وہ فرش پر آ رہا۔دوسرا مشین گن والا بوکھلا کر ان کی طرف مڑا۔مشین گن کا رخ موڑ کر اس نے چوکیدار کو نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن پھر رک گیا۔دونوں اس بری طرح گتھے ہوئے تھے کہ صحیح نشانہ لینا تقریباً ناممکن تھا۔

خاکی وردی والوں میں سے ایک فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا۔باقی تین ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑے تھے۔کچھ ایسی ہی حالت میگافون والے کی تھی۔کامیابی کے اتنے قریب پہونچکر حالات کے اچانک اس بدلے ہوئے رخ نے سب کو بوکھلا دیا تھا۔

بوڑھے چوکیدار نے اپنے حریف کے سر کو زور سے فرش سے ٹکرایا۔ایک چیخ ہال میں گونجی اور وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔

''فائر!''سردار نے چیخ کر مشین گن والے کو حکم دیا۔

اسی وقت نیر منان اپنے ساتھیوں سے دروازہ کا خیال رکھنے کے لئے کہہ کر مشین گن والے کی طرف لپکا۔لیکن مشین گن والے نے لیور دبا دیا تھا۔گولیوں کی بوچھاڑ سی بوڑھے چوکیدار پر پڑی۔وہ تڑپ کر فرش پر گر پڑا۔نیر منان مشین گن والے کے پاس پہنچ چکا تھا۔مشین گن والے نے پلٹ کر اس کو گولیوں کا نشانہ بنانا چاہا۔لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔نیر منان مشین گن والے کو کمر سے پکڑے ہوئے فرش

آ رہا۔ ان دونوں کو گرتا دیکھ کر سردار مشین گن پر قبضہ کرنے کے لئے لپکا۔ اسی وقت مشین گن والے کا ہاتھ لیور پر پڑ گیا۔ اور اس نے اضطراری طور پر لیور دبا دیا۔ مشین گن سے ایک بار پھر گولیوں کی بوچھار ہوئی۔ لیکن اس مرتبہ ان کا نشانہ سردار بنا تھا۔

خاکی وردی والوں میں سے ایک نے بوکھلا کر دروازہ کا رخ کیا۔ لیکن وہ اندر آنے والے ایک نقاب پوش سے ٹکرا گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ باہر والا اندر آ سکتا۔ طاہر کرامت دروازے تک پہونچ گیا تھا۔ اس نے دونوں کو باہر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ باہر سے دروازہ کھولنے کے لئے زور لگایا گیا۔ لیکن طاہر کرامت نے پروفیسر افغانی کی مدد سے دروازہ بولٹ کر دیا۔ دوسری طرف سے دروازے پر حملے ہو رہے تھے لیکن اس کے ٹوٹنے کی امید نہیں تھی۔

دونوں نے مڑ کر ہال کا جائزہ لیا۔

ہال میں موجود لوگوں کی کیفیت بھی بدل چکی تھی۔ ان میں سے چند ایک خاکی وردی میں ملبوس وہائٹ گینگ کے دونوں آدمیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ تیسرا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ مشین گن والے کا سر بھی نیر منان نے بڑے زور سے فرش سے ٹکرا دیا تھا۔ اس لئے وہ بھی فرش پر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

نصیر الدین نے بوڑھے چوکیدار کو اپنے جسم کے سہارے فرش پر بٹھا رکھا تھا اور ایک آدمی جو یقیناً ڈاکٹر ہوگا چوکیدار کے زخموں کا جائزہ لے رہا تھا۔ نیر منان سردار کے سر کو ہاتھوں میں تھامے ہوئے اور سر جھکائے اس کے ہلتے ہوئے ہونٹوں سے نکلنے والے الفاظ کو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

طاہر کرامت اور پروفیسر افغانی بوڑھے چوکیدار کی طرف بڑھے۔

''کیسی حالت ہے ان کی؟'' پروفیسر افغانی نے پوچھا۔

''مایوس کن!'' ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ان کے جسم پر چھ زخم ہیں جن میں سے دو انتہائی مہلک ہیں۔ ایک گولی دل کی چھیرتی ہوئی گذری ہے۔ مجھے

حیرت ہے کہ یہ ابھی تک زندہ کیسے ہیں۔

''پروفیسر افغانی نے افسردگی سے کہا اور بوڑھے چوکیدار کو دیکھنے لگا۔ بہادر آدمی کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار تھے۔ آنکھیں ویران ویران سی تھیں۔ لیکن چہرے پر عجیب نورانی سا تقدس چھایا ہوا تھا۔

بوڑھے چوکیدار نے اپنی آنکھیں پروفیسر افغانی کے چہرے پر جما دیں۔ پروفیسر افغانی آگے کو جھک آیا۔ بوڑھے چوکیدار کے ہونٹوں سے نکلنے والے ٹوٹے پھوٹے الفاظ ''وہ..... کہاں..... ہے؟'' سنکر پروفیسر افغانی نے پوچھا۔ ''کون؟

''وہ..... وہ!'' بوڑھا چوکیدار صرف اتنا ہی کہہ سکا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اس کی ویران آنکھیں کسی کی متلاشی تھیں۔

یکا یک۔ پروفیسر افغانی کو کچھ خیال آیا۔ اس نے پلٹ کر نیر کو آواز دی۔

نیر منان نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ابھی تک سرغنہ کے پاس تھا۔ اس نے آہستہ سے مرتے ہوئے سردار کا سر فرش پر رکھا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں جو کسی الجھن کی غمازی کر رہی تھیں۔ اس کی نظریں بوڑھے چوکیدار کے زخمی جسم پر پڑیں اور اس کی پیشانی پر ابھری ہوئی لکیریں غائب ہو گئیں۔ وہ عقیدت مندانہ نظروں سے بوڑھے چوکیدار کو دیکھتا ہوا اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

بوڑھے چوکیدار کی ویران نگاہیں نیر منان کے چہرے پر پڑے اور یکا یک اس کے چہرے پر گہرے جوش کے آثار پیدا ہوئے۔ اسکا سارا جسم کانپنے لگا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے نیر کے چہرے کو چھونے کی کوشش کی لیکن ہاتھوں میں اتنی جان نہیں رہی تھی کہ وہ اس کے چہرے تک پہنچ سکتے۔ نیر منان نے بہادر آدمی کے گرتے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

بوڑھے چوکیدار نے بمشکل اپنے سر کو اوپر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر شدید تکلیف

کے آثار پیدا ہوئے۔ شاید اسے اپنا جسم ہلاتے تکلیف ہوتی تھی۔ پھر اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن ہونٹ اس کے قابو نہیں تھے۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار گہرے ہو گئے۔ اور پیشانی سے پسینہ پھوٹنے لگا۔

''غریب کچھ کہنا چاہتا ہے۔'' ڈاکٹر نے زخم آمیز لہجے میں کہا۔

پروفیسر افغانی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شاید وہ جانتے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

چوکیدار کے ہونٹوں کی تھرتھراہٹ بڑھ گئی پھر یکا یک صاف لہجے میں چوکیدار نے کہا۔ ''میں نے..... اپنا..... فرض ادا..... کر دیا..... نا۔ میں نے اپنی..... روزی حلال کر لی نا!''

زندگی میں پہلی بار نیر منان کو اپنے جسم میں کپکپی کا احساس ہوا۔ اسکا جسم کسی رعشہ زدہ انسان کی طرح لرزنے لگا۔ اور شدت گر سے دانت بجنے لگے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بکھرنے لگیں۔ کپکپاتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ ''ہاں!..... اے بہادر انسان..... تو نے اپنی روزی حلال کر لی۔ اپنا فرض پورا کر دیا۔''

''شکر ہے خدا کا۔ شکر ہے خدا کا! بوڑھے چوکیدار نے کہا پھر وہ کلمہ پڑھنے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کی آواز معدوم ہوئی گئی۔ پھر صرف ہونٹ ہلتے رہ گئے۔ ایک بار ہونٹ زور سے ہلے پھر ان کی حرکت بھی ختم ہو گئی۔

''صرف اتنا کہنے کے لئے غریب کی روح بڑی دیر سے جسم میں میں اٹکی ہوئی تھی۔''

ڈاکٹر نے کہا۔

دروازیکو بڑے زور سے کھٹکھٹایا گیا پھر دوسری طرف سے کہا گیا۔'' ان دی نیم آف لا۔ اوپن اٹ اپ، ساتھ ہی پولیس کی سیٹوں کی مخصوص آواز آئی کسی نے دروازہ کھول دیا۔ ایک اے ایس آئی چند کانسٹیبلوں کے ساتھ بینک میں داخل ہوا۔

''نصیر اور طاہر یہیں ٹھہرو میں بیرکو لے جاتا ہوں۔ اسے پرسکون ماحول کی فوری ضرورت ہے۔''

پروفیسر افغانی کے کہا پھر وہ نیر منان کو سہارا دیتے ہوئے اے۔ ایس آئی پاس گیا۔ اے ایس آئی کو حالات سمجھائے میں اسے دیر نہیں لگی۔ اپنا اور نیر کا پتہ لکھوا کر وہ بینک سے نکل آیا۔ باہر کار کھڑی تھی نیر خاموشی سے کار میں بیٹھ گیا۔ پروفیسر افغانی نے کار اسٹارٹ کی اور نیر کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ افغانی کی یقین تھا کہ مکان پہنچ کر نیر کی حالت ٹھیک ہو جائے گی۔ اور بوڑھے چوکیدار کی ڈرامائی موت سے اسے جو صدمہ پہنچا تھا اسکا اثر دور ہو جائے گا۔

☆باب(۲)

احمد منیر ہاتھ جھلاتا ہوا محکمہ سراغرسانی کی عمارت میں داخل ہوا۔اس کے ہونٹوں پر کوئی فلمی گیت تھا۔سامنے ہی استقبالیہ کاؤنٹر تھا۔احمد منیر نے ہاتھ اٹھا کر استقبالیہ کلرک کو مخاطب کیا۔ہیلو سب ٹھیک ٹھاک ہے۔

''جی نہیں! کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔چیف انسپکٹر صاحب آپکو کئی بار یاد کر چکے ہیں۔مجھ سے بھی آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔میں نے بتا دیا کہ آپ دیر سے آئیں گے۔

''بات کیا ہے؟''

''پتہ نہیں۔آج چیف کا موڈ کچھ آف ہے۔''

''اوہ۔''احمد منیر کے لہجے میں تفتیش تھی۔وہ اپنے آفیسر کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔شاذونادر ہی اسکا موڈ آف ہوتا تھا۔ورنہ عام طور پر تو اسکا موڈ ہمیشہ ہی خوشگوار رہتا تھا۔احمد منیر نے چیف انسپکٹر کے کمرے کا رخ کیا۔

''آؤ۔آؤ! میں بڑی دیر سے تمہارا منتظر تھا۔''چیف انسپکٹر نے اسے دیکھتے ہی کہا۔وہ واقعی متفکر نظر آ رہا تھا۔اس کی پیشانی پر پڑے ہوئے بل اس کی برہمی ظاہر کر رہے تھے۔

احمد منیر خاموشی کے ساتھ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''دیکھو۔اسے پڑھو۔چیف انسپکٹر نے ایک فائل احمد منیر کی طرف بڑھا دی اس نے فائل کھولی۔اوپر ہی وہ رپورٹ تھی جو اس کے تعاون سے چیف انسپکٹر نے سیکرٹ فورس کے بارے میں مرتب کی تھی۔اور جو آئی جی کے ہاتھوں سے ہوئی ہوئی کمشنر کے سامنے پہنچی تھی اور جسے کمشنر نے پڑھ کر وزیر خارجہ کے پاس پہنچا دیا تھا۔احمد منیر نے وہ حاشیے غور سے پڑھے جو ہر آفیسر نے رپورٹ پڑھ کر لکھے تھے۔

پہلا اندراج آئی جی کا تھا!

''سیکرٹ فورس کے بارے میں محکمہ کی معلومات محدود ہیں اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو آفیسر اس سلسلے میں کام کر رہا ہے وہ سیکرٹ فورس سے مرعوب ہے۔ اور اس کے وجود کو تشویشناک سمجھنے کی بجائے ایک حد تک حوصلہ افزائی کے خیالات رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں مزید غیر جانبدار اور تحقیقات کی ضرورت ہے۔ پورٹ خط نمبر زیرو۔ زیرو ایک ساتھ حرالے سے مطالعہ۔ ضروری احکامات کے لئے پیش خدمت ہے یہ دوسری تحریر خود مشنر کی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

''رپورٹ میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ البتہ تحقیقاتی افسران کی زیادتی آرا اور خیالات بے شمار ہیں چیف انسپکٹر سے اس سلسلے میں جواب طلبی کی جائے اور اسے کہا جائے کہ وہ کسی دوسرے افسر کی تحقیقات کے لئے مقرر کر لے۔ فی الحال قاتل وزارت داخلہ کو بھیج دی جائے۔''

اور وزیر خارجہ نے غالباً رپورٹ پڑھے بغیر ہی لکھا دیا تھا۔

''جلد سے جلد تحقیقات مکمل کر کے رپورٹ پیش کی جائے۔

معاملہ کو فوری توجہ دی جائے۔ ہمیں اس سلسلہ میں چین کی وزارت خارجہ کو اطلاع دینی ہے۔ حکومت چین اس معاملے میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔''

رپورٹ گھوم پھر کر دوبارہ کمشنر کے آفس میں میں پہنچ تھی۔ اس نے ضروری احکامات کے ضمن میں اپنی تجویز کو پیش کر دیا تھا۔ آئی جی نے انھیں احکامات کو چیف انسپکٹر تک پہنچا دیا تھا۔ اور اب اسے تمام مناسب اور نا مناسب اعتراضات کا جواب دینا تھا۔ اور ساتھ ہی سیکرٹ فورس کا فائل احمد منیر سے لے کر کسی اور کے حوالے کرنا تھا

احمد منیر نے فائل بند کر دیا اور خاموشی سے چیف کو دیکھنے لگا۔

''پڑھ لیا سب کچھ۔ چیف انسپکٹر نے پوچھا۔

''یس سر! احمد منیر نے جواب دیا۔ حکام اعلیٰ کو رپورٹ پسند نہیں آئی۔ بات بھی صحیح

ہے۔ ہم سیکرٹ فورس کے بارے میں کچھ معلوم بھی نہیں کر سکے تھے۔ جو معلومات ہم نے بہم پہنچائی تھیں وہ نہ ہونے کے برابر تھیں۔ چند رنگین نقابوں اور کرنلوں کا مضحکہ خیز ذکر اعلیٰ حکام کو مطمئن کرنے کے لئے ناکافی تھا۔''

''اور دوسرے انتظامات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ میرا مطلب مرعوبیت اور ہمت افزائی کے احساسات سے ہے۔

''ہم نے اپنے صحیح احساسات اور خیالات کا اظہار رپورٹ میں کر دیا ہے۔ ہم یہ کر سکتے تھے۔ اس سے حکام نے جو اندازہ لگایا وہ بہر حال غلط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے رپورٹ کو غور سے نہیں پڑھا۔ صرف سرسری نظر سے دیکھ لیا ہے۔

''بالکل یہی بات ہے۔ اسی پر تو مجھے غصہ آ رہا ہے۔ ہمارے نظریے کو بالکل غلط انداز سے پرکھا گیا ہے۔ سیکرٹ فورس کے بارے میں جو کچھ لکھا جا سکتا تھا وہ ہم نے پوری ایمانداری سے لکھ دیا تھا۔ ہمارا یہ لکھنا کہ سیکرٹ فورس دوبارہ ہمارے سامنے آتی ہے۔ دونوں بار مددگار ثابت ہوئی۔ بالکل صحیح تھا۔ اور یہی ہماری غلطی تھی۔ نتیجہ سامنے ہے۔'' چیف انسپکٹر کا لہجہ سخت اور طنزیہ تھا۔ ''اب بتاؤ کیا جواب دیا جائے۔

اس نے احمد منیر سے پوچھا۔

احمد منیر نے بیچینی سے کرسی پر پہلو بدلا۔ پھر سوچتے ہوئے آہستہ لہجے میں کہا۔

''سیکرٹ فورس کا فائل مجھ سے لے کر کسی اور کو دیدیجئے۔''

''اور ان الزامات کا کیا جواب دیا جائے جو ہم پر لگائے گئے ہیں۔

''آپ میری کوتاہی کا ذکر کر کے معاملے کو ٹال سکتے ہیں۔''

چیف انسپکٹر نے تیز نظروں سے احمد منیر کو گھورا۔ احمد منیر نے سر جھکا لیا۔

''تم جانتے ہو کہ میں کسی بھی معاملے کو ٹالنے کا قائل نہیں ہوں۔ تم نے واقعی کوئی کوتاہی کی ہے۔؟''

احمد منیر خاموش رہا۔

''جب تم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی تو میں تمہیں کیسے الزام دوں میں کسی پر خواہ مخواہ الزام نہیں لگایا کرتا۔ اسی لئے میں ابھی تک چیف انسپکٹر ہوں ورنہ سروس کے لحاظ سے تو میں موجودہ آئی جی سے سینئر ہوں۔

احمد منیر خاموش رہا۔ وہ کہہ ہی کیا سکتا تھا۔

''چیف انسپکٹر نے فائل اپنی طرف کھینچی ایک لمحے تک اسے گھورتا رہا پھر کھول کر تیزی سے اس پر لکھنے لگا۔ وہ کئی منٹ تک لکھتا رہا۔ احمد منیر خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا کہ چیف انسپکٹر نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ وہ محکمہ سراغرسانی کا سینئر موسٹ افسر تھا۔ نہ خوشامد کرتا تھا اور نہ خوشامد کرنے والوں کو پسند کرتا تھا اسی بنا پر اس کے آفیسر اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

چیف انسپکٹر نے قلم روک کر تحریر پر نظر ثانی کی اور اطمینان کا گہرا سانس لیتے ہوئے فائل دوبارہ احمد منیر کی طرف کھسکا دی۔ اس کی پیشانی کی لکیریں مٹ چکی تھی اور چہرے سے برہمی کے آثار بھی غائب ہو گئے تھے۔ اسکا موڈ بحال ہو چکا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمام ذہنی پریشانی اور غصہ تحریر میں نکل گیا تھا۔ احمد منیر نے چیف انسپکٹر کی تحریر کو پڑھا۔ مختصر سی تحریر تھی لکھا تھا۔

''سیکرٹ فورس کے بارے میں محدود معلومات پیش کرنے پر میں شرمندہ ہوں۔ یہ جماعت انتہائی منظم ہے۔ میں نے اپنے سیکشن کے ذہین ترین آدمی کو اس جماعت کے بارے میں تحقیقات پر مقرر کیا تھا۔ اس کی ناکامی کے بعد اب میرے پاس کوئی اور مناسب آدمی نہیں ہے۔ میری ذاتی رائے میں پورے محکمہ میں کوئی بھی آدمی سیکرٹ فورس کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لائق نہیں ہے۔''

''سر یہ آخری جملہ آپ نے بہت سخت لکھ دیا ہے۔' احمد منیر نے کہا۔ اس جملے پر آئی جی جھلا جائیں گے۔ اس جملے کو کاٹ دیں تو.....''

''میں جو لکھ دیتا ہوں اسے کاٹا نہیں کرتا۔ چیف انسپکٹر نے مضبوط لہجے میں کہا۔'' مجھے یقین ہے کہ سیکرٹ فورس میرے محکمہ سے زیادہ منظم اور مستعد جماعت ہے۔

''یہ صحیح ہے۔ پھر..... احمد منیر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''پھر بھی یہ لکھنا نہیں چاہیے تھا۔ کیوں تم یہی کہنا چاہتے تھے نا۔ کہو۔ ڈرتے کیوں ہو۔ مجھے تمہاری صاف گوئی پسند ہے۔ صاف گوئی اور سچائی جو اکثر کونین کی طرح کڑوی ہوتی ہے۔

''معاف کیجئے سر! میرے خیال میں اس جملے پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

''میں نے اچھی طرح غور کر کے ہی یہ جملہ لکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آئی جی یہ کیس مجھ سے لیکر کسی اور کے حوالے کر دیں۔ کسی ایسی شخصیت کے حوالے کریں جس کو وہ بہت زیادہ ذہین اور مستعد سمجھتے ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اسے ناکامی ہوگی۔ اس وقت آئی جی کو ہماری کوششوں کی قدر ہوگی۔''

بات معقول تھی۔ احمد منیر خاموش ہو رہا۔ اسے صرف یہ ڈر تھا کہ کہیں آئی جی تلملا کر چیف انسپکٹر کے خلاف کوئی ایکشن نہ لیلے۔ وہ بھی کچھ کہنے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔

چیف انسپکٹر نے کال وصول کی۔ ریسیور رکھتے ہوئے اس نے احمد منیر سے کہا۔'' یونیورسل بینک پر وہائٹ گینگ نے ڈاکہ ڈالا تاہم جو ناکام رہا۔''

''ناکام رہا!'' احمد منیر نے بے ساختہ کہا۔

''ہاں! پہلی مرتبہ وہائٹ گینگ کی کوشش ناکام رہی ہے۔ تین آدمی مارے گئے اور چار پکڑے گئے۔ تم فوراً چلے جاؤ۔ شاید اس بار کوئی ایسی کلیو ہاتھ لگ جائے جو فائدہ مند ہو۔''

''شاید۔''

''احمد منیر چیف انسپکٹر کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آیا۔ ایک دو

ضروری کاغذات کو دیکھو کر وہ اٹھ گیا۔ وہائٹ گینگ کا فائل اسے ہال ہی میں ملا تھا۔ قسمت کی خوبی سے وہائٹ کے کچھ کارندے اس مرتبہ ہاتھ لگ گئے تھے۔ اسے امید ہو چلی تھی کہ شاید اب وہ اس گروہ کے خلاف کچھ کامیابی حاصل کر سکے۔

ٹیکسی نے اسے پندرہ منٹ میں یونیورسل بینک پہنچا دیا۔ پولیس کے ایک اے ایس آئی نے اسکا استقبال کیا پھر وہ اسے بینک کے ہال میں لے گیا۔ جہاں ابھی تک وہ تھیلا پڑا تھا جس میں وہائٹ گینگ کے کارندے لے لوٹ کا مال لیجانا چاہتے تھے۔ لاشیں بھی ویسی ہی پڑی ہوئی تھیں۔ بینک میں اس وقت اسٹاف کے علاوہ صرف وہی آدمی تھے جنہیں اے۔ ایس آئی نے بیانات لینے کے لئے روک لیا تھا۔

اے ایس آئی نے مختصر الفاظ میں احمد منیر کو واقعات کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ میں جب چند کانسٹیبلوں کے ساتھ یہاں آیا تو وہ مجرم جو بینک کے باہر تھے بھاگ چکے تھے۔ بینک کا دروازہ، اندر سے بند تھا۔ میں نے دروازہ کھلوایا تو یہ لوگ مرے پڑے تھے۔ اور کچھ لوگ تین آدمیوں کی مرمت کر رہے تھے۔ ایک اور آدمی فرش پے بے ہوش پڑا تھا۔

''تم نے لوگوں کے بیانات لئے۔''

''جناب کچھ لوگوں کے بیانات میں نے لئے اور کچھ لوگوں کو آپ کے لئے روک رکھا ہے۔''

''ہوں!'' احمد منیر نے پر خیال انداز میں کہا۔ پھر وہ لاشوں کے پاس گیا جن پر چادریں ڈھک دی گئی تھیں۔ احمد منیر نے چادریں ہٹا کر لاشوں کا معائنہ کیا۔ سرغنہ کے چہرے پر ابھی تک سفید نقاب چڑھا ہوا تھا۔ منیر نے نقاب اتارا تو اندر سے جو چہرہ نکلا اسے دیکھ وہ چونک گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے یہ چہرہ اس نے پہلے بھی کئی بار دیکھا ہو۔ لیکن ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی اسے یاد نہ آ سکا کہ اس نے اس آدمی کو کہاں دیکھا تھا۔

''سر! مجھے ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ شاید داڑھی مونچھ جدا کرنے پر ہم اسے پہچان سکیں۔

''شاید!''

احمد منیر نے سرسری طور پر سرغنہ کی تلاشی لی اس کی جیبیں بالکل خالی تھیں۔

وہ اس کی لاش کے پاس سے ہٹ کر دوسرے نقاب پوش کے پاس آیا۔ اس کے قریب ہی ایک مشین گن پڑی تھی۔

''یہ تو فوجی مشین گن ہے۔ اس کے پاس کہاں سے آئی۔ احمد منیر نے استعجابیہ لہجے میں کہا پھر جھک کر بدنصیب ڈاکو کے چہرے سے نقاب ہٹایا۔ اندر سے جو چہرہ برآمد ہوا وہ دونوں کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ لیکن داڑھی مونچھیں اس کے چہرے پر بھی تھیں۔ اس کی تلاشی بھی بے سود رہی۔

لاشوں کے پاس سے ہٹ کر احمد منیر فون کے پاس گیا۔ جو مینجر کے کمرے میں لگا ہوا تھا۔ چیف انسپکٹر کو فون کرے اس نے مختصر طور پر اسے سارے واقعات بتائے۔ اور فوٹو گرافر اور دوسرے ماہرین کو بینک بھیجنے کے لئے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

''بینک کا مال کب تک تھیلے میں بند پڑا رہے گا؟ مینجر نے احمد منیر سے پوچھا۔

''صرف تھوڑی دیر اور۔۔ اگر آپ یہ کمرہ میرے حوالے کر دیں تو بہتر ہے کیونکہ مجھے ابھی لوگوں کے بیانات لینے ہیں۔''

''ضرور۔ ضرور۔ کیوں نہیں۔ آپ بیٹھئے میں ذرا باہر کچھ کام کر لوں گا۔''

دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔ احمد منیر نے اشارے سے اے۔ ایس۔ آئی کو بلا کر کہا۔ ''جن آدمیوں کے بیانات لینے ہیں۔ انکو بیانات لے کر انہیں جانے دو۔ اور مجرموں کو ایک ایک کر کے میرے پاس بھیجو۔ یہ کہہ کر وہ کمرے میں واپس آ گیا اور مینجر کی کرسی پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ چند منٹ بعد ایک کانسٹیبل ایک آدمی کو دھکیلتا ہوا کمرے میں لایا۔ اس کے ہاتھ پیچھے موڑ کر رسی سے باندھ دیئے گئے تھے۔

یہ وہی شخص تھا۔ نیر منان نے جسکا زمین سے سر ٹکرا کر بے ہوش کر دیا تھا۔ اور بعد میں جسے پولیس بیہوشی میں لے آئی تھی۔ حلیہ سے یہ شخص اچھا خاصا شریف آدمی نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کے جذبات نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے اپنی گرفتاری کی کوئی فکر ہی نہ ہو۔ آنکھیں کھوئی کھوئی سی لگ رہی تھیں اور چہرہ بے جان سا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔'' احمد منیر نے سخت لہجہ میں پوچھا۔

وہ خاموش رہا۔ کانسٹیبل نے اسکا کندھا پکڑ کر ہلایا تو جیسے وہ چونک پڑا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔'' احمد منیر نے اپنا سوال دہرایا۔

''فاضل بیگ۔''

''باپ کا نام''

''کامل بیگ''

''پتہ۔''

۵۹ بہادر آباد! پتہ سنکر احمد منیر نے حیرت بھری نظروں سے مجرم کو دیکھا۔ بہادر آباد شہر کی صاف ستھری بستی تھی۔ جہاں صرف کھاتے پیتے خوش حال گھرانے آباد تھے۔

''کوئی کام کرتے ہو؟ احمد منیر نے اس سے پوچھا۔ اس کے چہرے سے استعجابیہ جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔

''تاجر ہوں۔ ایکسپورٹ امپورٹ کا کاروبار ہے۔''

''پھر ڈاکہ ڈالنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔

''دل چاہا تھا۔ مجرم ک زبان سے الفاظ اس طرح نکل رہے تھے جیسے کسی مشین سے نکل رہے ہوں۔ اسکا چہرہ اور آواز ہر قسم کے جذبات سے عاری تھی۔ اس کے ساتھ ہی آنکھوں کی ویرانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

''تم وہائٹ گینگ کے بارے میں کیا جانتے ہو۔؟'' منیر نے سوال کیا۔

''ضرور اتنا کہ میں وہائٹ گینگ کا ایک ممبر ہوں اور جو کام بھی مجھے دیا جائے اسے پورا کرنا میرا فرض ہے۔''

''فرض۔؟''

''ہاں۔فرض اویلین۔''

''کیوں؟''

''اس سلسلے میں کسی ''کیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔''

''تمہارے علاوہ اس گینگ کیاور کتنے ممبر ہیں۔''

''معلوم نہیں۔''

''تمہیں کام کون دیتا تھا۔؟''

جو مر گیا۔''

''جس کے پاس میگافون تھا۔''

''ہاں''

''اسکا نام کیا تھا۔''

''معلوم نہیں۔''

''اپنے جن ساتھیوں کے نام پتے تم جانتے ہو وہ بتاؤ۔''

''میں کسی کا نام پتہ نہیں جانتا۔'

''جھوٹ بولتے ہو!'' احمد منیر نے ڈپٹ کر کہا۔

مجرم خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر جذباتی تغیر کی کوئی علامت نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی اور کو ڈانٹا گیا ہو۔ احمد منیر بھی حیران تھا۔ اس نے آج تک ایسا کوئی مجرم نہیں دیکھا تھا پکڑے جانے کے بعد جو اتنا پرسکون ہو اور جس پر ڈانٹ ڈپٹ کا معمولی سا اثر نہ ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسکو مجرم کی ایکٹنگ سمجھے یا

حقیقت۔

''تم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے تھے اس کے باوجود ایک دوسرے کا پتہ نہ جانتے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

''ہم آپس میں کبھی نہیں ملتے تھے۔ وہ جو مر گیا ہمیں جانتا تھا اور فون پر سب سے کسی ایک جگہ اکٹھا ہونے کے لئے کہہ دیتا تھا۔ ایک جگہ اکٹھا کرنے کے بعد وہ ہم لوگوں میں مختلف کام تقسیم کر دیتا تھا۔

''کام کا معاوضہ کیا ملتا تھا۔؟''

''پتہ نہیں''

''اگر یہ ڈاکہ کامیاب ہو جاتا تو مال کہاں لیجاتے۔''

''پتہ نہیں۔ گاڑی مرنے والا خود ہی چلاتا۔ ہم سب ایک ایک کر کے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اتار دیئے جاتے پھر گاڑی کہاں لیجائی جاتی یہ معلوم نہیں۔''

احمد منیر خاموش ہو گیا۔ سوالات جاری رکھنا وقتی طور پر کچھ مفید نہیں نظر آ رہا تھا۔

''دوسرے آدمی کو بھیجو۔ اس نے کانسٹیبل سے کہا۔

''بہت بہتر۔ کانسٹیبل نے کہا اپنے قیدی کو ٹھوکے دیتا ہوا باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد دوسرے قیدی کو لے کر آیا۔ یہ ان میں ایک تھا جو خاکی وردی میں ملبوس تھے۔ اس کی حالت پہلے والے سے مختلف نظر آ رہی تھی۔ وہ بے حد خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اپنے چہرے مہرے سے وہ نچلے درجے کا کوئی بدمعاش معلوم ہو رہا تھا۔

''نام؟ احمد منیر نے پوچھا۔

''جگو'' بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''باپ کا نام؟''

''بھولے۔''

''پتہ ۔۔؟''

جی! جی میں شاہ جی کی کھولی میں رہتا ہوں وہ جو بغداد میں ہے۔''

''کوئی کام کرتے ہو۔''

''کوہ نور میں گیٹ کیپر ہوں۔''

''اور ڈاکے بھی ڈالتے ہو۔ کیوں۔؟''منیر نے تیز لہجے میں کہا۔ وہ جگو کے ٹائپ سے سمجھ گیا تھا کہ وہائٹ کینگ میں اس کی حیثیت ایک قلی سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اپنے خیال کی تائید کے لئے اس نے جگو سے پوچھا۔ تم نے ڈاکہ ڈالنا کب سے شروع کیا۔؟''

''جی میں نے کبھی ڈاکہ نہیں ڈالا جی۔ مجھے تو یہ لوگ پھانس کر لے آئے تھے۔''

''مجھ سے تو انھوں نے سامان ڈھونے کے لئے کہا تھا جی۔ مجھے ڈاکے کا کوئی علم نہیں تھا۔

احمد منیر نے گھور کر جگو کو دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے ڈاکے کا علم ضرور ہوگا۔ لیکن بڑی رقم کے لالچ میں آمادہ ہو گیا۔ اس لئے اس نے اس سلسلے میں اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ ایک نیا سوال کر دیا۔ ''یہ لوگ کون ہیں۔ اور انھوں نے تمہیں کس طرح پھالنا تھا؟''

مجھے تو کچھ نہیں معلوم کہ یہ لوگ کون ہیں۔ مجھ سے تو ایک آدمی نے صرف اتنا کہا تھا کہ کچھ سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا ہے۔ اپنے دوستوں کو لے کر میں تیار رہوں۔ وہ اپنی کار میں مجھے لیجائے گا۔''

''یہ بات کب ہوئی تھی۔''

''کل رات۔''

''جس سے تم نے بات کہ تھی اس کی شکل وصورت کیسی تھی۔؟''

''میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ وہ اندھیرے میں مجھ سے ملا تھا۔ اور اپنے

چہرے کے لمبے کالر چھپائے رہا تھا۔"

"کتنے روپوں میں سودا ہوا تھا؟"

"اس نے مجھے سو روپے دیئے تھے اور کہا تھا کہ ہر آدمی کو سو سو روپے دے گا اسے تین اور آدمیوں کی ضرورت تھی۔

احمد منیر نے دو چار سوالات اور پوچھے لیکن کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔ دوسرے دونوں بھی چونکہ جگو کے ساتھی تھے اس لئے ان سے اس نے سوالات نہیں کئے۔ وہ جگو کے ساتھ ہی کمرے سے نکل آیا۔ فوٹو گرافر اور دوسرے بارہ آ گئے تھے۔ اور اپنے کام میں مصروف تھے۔ وہ ان کے پاس گیا اور اپنے ایک ماتحت سے کہا۔

"سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ وہ لاش کس کی ہے جس کے پاس میگافون تھا۔ کپڑوں پر لانڈری کے نشانات سے مدد ملے گی۔ جیسے ہی کچھ معلوم ہو مجھے اطلاع کرنا میں آفس جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ آفس کے لئے روانہ ہو گیا۔

☆احساس کی آگ

نیر منان اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوٹل ڈی خان میں بیٹھا ہوا تھا۔شام کے دو تین اخبارات میز پر پڑے ہوئے تھے۔وہ ان کا مطالعہ کر چکے تھے۔سارے اخبارات میں صبح کا واقعہ شہہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوا تھا۔خبر میں نیر کا ذکر بھی تھا۔اس کی موقعہ شناسی اور بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے رپورٹروں نے اسے اس دن کا ہیرو قرار دیا تھا۔حالانکہ اصل ہیرو چوکیدار تھا۔لیکن چونکہ وہ مقصد پر قربان ہو گیا تھا۔اس لئے اسکا ذکر سرسری سا تھا۔یہ دنیا مقصد کی خاطر مر جانے والوں کو ہیرو قرار نہیں دیتی۔

وہ ریستوران میں بیٹھے ہوئے صبح کے واقعہ پر گفتگو کر رہے تھے۔

''سوال یہ ہے کہ اگر میگافون سرغنہ تھا تو اب اس کے مرنے کے بعد بھی وہائٹ گینگ باقی رہے گا یا ختم ہو جائیگا۔طاہر کرامت نے کہا۔

''کیوں نہیں۔کوئی نیا سربراہ چنا جا سکتا ہے۔نصیر الدین نے جواب دیا۔

''ایسا ہو تو سکتا ہے۔لیکن اسکا امکان بہت کم ہے۔کوئی غیر قانونی منظم تربیت دینا آسان کام نہیں ہے۔ایسی تنظیم کے سربراہ کا نعم البدل ملنا مشکل ہے۔اسی لئے عام طور پر سربراہ کا خاتمہ تنظیم کا خاتمہ ہوتا ہے۔طاہر کرامت نے کہا۔

تو گویا ہمارے ہیرو نے وہائٹ گینگ کا خاتمہ کر دیا۔''نصیر نے نیر کو دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

پروفیسر افغانی خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔نصیر کی بات سنکر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور اس نے آہستہ سے کہا۔لیکن ہیرو نے بندوق دوسرے کے کندھے پر رکھ چلائی تھی۔پروفیسر کا اشارہ چوکیدار کی طرف تھا۔طاہر اور نصیر ہنس پڑے۔لیکن نیر خاموش رہا۔وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔اس کی نظریں خلا میں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔

''بھائی پھر مراقبہ میں پہنچ گئے۔'' طاہر نے کافی زور سے کہا۔ اور نیر کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ نیر چونک پڑا۔

''کیا۔؟ کیا بات ہے۔ اس نے پوچھا۔

''کہاں گئے ہوئے تھے۔ نصیر نے سوال کیا۔

''شاید چوکیدار کی ڈرامائی موت کا اثر ابھی تک ذہن پر ہے۔'' پروفیسر افغانی بولا۔

''ہاں نیر منان نے کہا۔'' اس کی آخری تصویر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔ کم سے کم اس وقت تک نہیں بھول سکتا جب تک وہائٹ گینگ کے ایک ایک فرد سے اس کی موت کا انتقام نہ لے لوں۔''

''انتقام!'' پروفیسر افغانی نے کہا۔ جانتے ہو یہ لفظ ہمارے دستور میں کہیں شامل نہیں ہے۔''

''نہ ہو میرے ذہن پر نقش ہو چکا ہے۔ اور اب وہائٹ گینگ کے سرغنہ کے خون سے دھل سکے گا۔

''وہائٹ گینگ کا سربراہ تو شاید ختم ہو چکا ہے۔'' طاہر نے کہا۔

''نہیں! میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ ابھی زندہ ہے۔ اور اسرار کے دبیز پردوں میں پوشیدہ۔ نیر نے ایک بار پھر خلاء میں کسی خیالی نکتے کو گھورتے ہوئے ہلکی آواز میں کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہ سب کچھ اپنے آپ سے کہہ رہا ہوتا۔

''میرے سینے میں انتقام کی جو آگ سلگ رہی ہے وہ ہزاروں پردوں کو جلا کر اسکو ڈھونڈ لے گا۔

''تم بہت جذباتی ہو رہے ہو۔ افغانی بولا۔ اس کے لہجے میں تشویش کی جھلک

تھی۔

''ہاں میں جذباتی ہو رہا ہوں۔ میں بچپن ہی سے جذباتی ہوں۔ نیر نے جواب دیا۔ ''لیکن میرے جذبات مجھے عقل کو فرد سے بے گانہ نہیں کر دیتے۔''

''اب تم کیا کرو گے۔؟''

''میں وہائٹ گینگ کا فائل لینے کی سوچ رہا ہوں۔''

''اور اگر ڈاکٹر مسعود انور نے ابھی اس کی فائل بنائی ہی نہ ہو۔''

''نہ بنانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہائٹ گینگ کے سیاہ کارنامے ایسے نہیں ہیں جن سے درگذر کیا جا سکے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر نے اس کی فائل بنائی ہوگی۔

''لیکن آج کے واقعے کے بعد وہائٹ گینگ کا باقی رہ جانا ہی غیر یقینی ہے۔'' طاہر نے کہا۔

خیال ہے جناب کا نیر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہائٹ گینگ کا سرغنہ اتنا بیوقوف نہ ہوگا کہ خود ہی ڈاکے ڈالنے پہونچ جائے۔

ہوسکتا ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ میرا خیال صحیح ہو۔

نہیں میگافون والا سرغنہ نہیں ہوسکتا۔

آخر اتنے یقین سے تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو۔

کیونکہ میں نے میگافون والے کے آخری الفاظ سنے تھے۔

کیا؟ نیر کے تینوں ساتھی بے ساختہ چونک پڑے۔

ہاں۔ میں نے اسے کہتے ہوئے سنا تھا۔ سرخ آنکھ سے کہدو۔ سرخ آنکھ سے کہہ دو وہ انہیں الفاظ کو دہراتا ہوا ختم ہوگیا تھا۔

سرخ آنکھ سے کہدو۔ کیا بات بنی؟ نصیر نے کہا۔

تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔

اچھا بقراط صاحب ہی کچھ سمجھ سکے ہوں تو بتا دیجئے۔

اسکا مطلب ہے کہ میگا فون والا کسی کو جواب دہ تھا۔ وہ اس تک اپنی ناکامی کا پیغام پہونچانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں سرغنہ کی شخصیت کا مکمل تصور نہ آسکا ہوگا۔ اس لئے وہ سرخ آنکھ کو پکارتا رہ گیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سرغنہ کی شخصیت اور سرخ آنکھ میں کوئی تعلق ہو۔

ہوسکتا ہے کہ اسے اس شخصیت کا نام معلوم ہی نہ ہو۔ وہ اسے سرخ آنکھ کی وجہ سے پہچانتا ہو۔

ممکن ہے! بہر حال ایک سرخ آنکھ وہائٹ گینگ کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اور اب مجھے اسی سرخ آنکھ کو تلاش کرنا ہے۔ نیر بولا۔

بشرطیکہ ڈاکٹر تمہیں اس بات کی اجازت دیدیں۔

کیوں۔ اجازت نہ دینے کا کیا سوال۔؟ چلو اٹھو میں انھیں ابھی فون کرتا ہوں۔

نیر کی یہ بات سنکر چاروں اٹھ گئے۔ تھوڑی دور پر ٹیلی فون بوتھ تھا۔ نیر منان نے بوتھ میں داخل ہوکر نمبر ڈائل کئے۔

ہیلو مجھے گلاب چاہیے۔ نیر نے سلسلے ملنے پر کہا۔

کونسا؟ دیسی۔ خوشبو دلایا ولایتی نازک پتیوں والا۔

خوشبو والا۔

جنرل روز اسپیکنگ۔ دوسرے سرے سے کسی نے اتہارئی پر وقار اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

کرنل براؤن دس اینڈ۔

کیا بات ہے کرنل۔

سر آپ کو صبح کے واقعات کی تفصیل معلوم ہو چکی ہوگی۔

ہاں۔ آواز میں تلخی تھی۔ نیر منان نے جنرل روز کی آواز میں تلخی کو فوراہی محسوس کر

لیا کیونکہ عام طور پر جنرل کا لہجہ انتہائی مشفقانہ ہوا کرتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر آہستہ آواز میں بولا۔ سر! کیا بات ہے آپ کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں۔

کچھ نہیں بہت! مجھے کرنل وہائٹ سے تمہاری حالت کی تفصیلات اور اس کی وجہ بھی معلوم ہوئی تھی۔ مجھے یہ معلوم ہو کر بہت افسوس ہوا تھا کہ میرے ساتھیوں میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو دوسروں کے جذبات کا خیال کئے بغیر جو منہ میں آتا ہے کہہ گذرتا ہے۔

نیر جو پہلے ہی اپنی غلطی پر کافی پشیمان تھا جنرل روز کی ناراضگی سے اور زیادہ نادم ہو گیا۔ اپنے جذبات پر قابو پائے ہوئے اس نے کہا۔ جناب میں اپنی غلطی پر نادم ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔

کیا تمہارے معافی مانگنے سے چوکیدار کی روح واپس بند آ جائے گی۔ جانتے ہو صرف تمہاری باتیں سن کر ہی چوکیدار کو اپنی روزی حلال ثابت کرنے کے لیے جان کی بازی لگنی پڑی۔ اگر تم نے الٹے سیدھے الفاظ کہے ہوئے تو شاید وہ زندہ ہوتا۔

مجھے اسکا احساس ہے سر؟ نیر کے لہجے میں جذباتیت ابھر آئی۔ اس کی موت نے میرے سینے میں آگ لگا دی ہے اور میں.....

اور تم اپنی غلطی کا ازالہ بوڑھے کی موت کا انتقام لے کر کرنا چاہتے ہو۔ جنرل نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

یس سر!

تم مجھ سے اس کیس پر کام کرنے کی اجازت چاہتے ہو۔؟

یس سر۔ نیر منان نے بے تابی سے کہا۔

تم جذبات میں اندھے ہو رہے ہو۔ ایسی صورت میں تمہیں اس کیس پر کام کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

سر! نیر چیخ پڑا۔

کرنل اپنے لہجے پر کنٹرول کرو۔تم جنرل روز سے بات کر رہے ہو۔دوسری طرف سے سرد لہجے میں کہا گیا۔

میں معافی چاہتا ہوں جناب۔نیر نے ہلکی آواز میں کہا۔مہربانی فرما کر مجھے وہائٹ گینگ کا فائل دیدیجئے۔میں آپکا ممنون ہوگا۔

نہیں۔جب تک تمہارے جذبات تمہارے قابو میں پوری طرح نہیں آتے میں تم سے کوئی کام لینا مناسب نہیں سمجھتا۔

سر میں پاگل ہو جاؤنگا۔

پاگل پن کا علاج ممکن ہے۔موت کا علاج نہیں۔جذباتی آدمی وہائٹ گینگ جیسے تنظیم سے ٹکرا کر زندہ نہیں رہ سکتا۔جب تک تمہارے جذبات سرد نہ ہو جائیں میں تمہیں گھر ہی پر رہنے کا مشورہ دونگا۔

میں گھر ہی پر رہونگا۔نیر نے انتہائی مایوسانہ انداز میں کہا۔

ٹھیک ہے۔اور کچھ؟

ایک اطلاع دینی تھی۔

وہ کیا ہے۔

بینک پر ڈاکہ ڈالنے والی پارٹی کے سرغنہ نے مرنے سے پہلے کچھ الفاظ کہے تھے۔جنہیں میں نے ہی سنا تھا۔

کیا الفاظ تھے وہ۔

اس نے کہا تھا۔سرخ آنکھ سے کہدو۔سرخ آنکھ سے کہدو۔

دوسری طرف تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر جنرل روز کی مضطربانہ آواز سنائی دی۔

کیا تمہیں یقین ہے کہ اس نے سرخ آنکھ ہی کہا تھا۔؟

یس سر!۔یہ الفاظ کتنے بار دہرائے گئے تھے۔اس میں غلط فہمی کا امکان نہیں ہے۔

اگر تمہاری بات درست ہے تو وہائٹ گینگ کا معاملہ بے حد اہم ہو جاتا ہے۔

میری اطلاع بالکل درست ہے سر لیکن اس کی اہمیت میری سمجھ میں نہیں آتی۔

ٹھیک تم نہیں سمجھ سکو گے تمہیں تفصیلات کا علم نہیں ہے۔ میں اس سلسلے میں پہلے مسٹر مائنڈ سے گفتگو کرلوں پھر تمہیں تفصیل سے سمجھا دونگا۔ جی الحال تم گھر ہی پر رہو۔ اگر دو تین دن میں تم نے اپنے جذبات پر قابو پالیا تو شاید پھر یہ کیس تمہیں ہی دیدوں۔

اوہ۔ شکریہ جناب میں آپ کی ہدایات کا پورا پورا خیال رکھونگا۔

اور کچھ کہنا ہے۔

نہیں جناب۔

تو پھر۔ خدا حافظ۔

خدا حافظ۔

سلسلہ منقطع کر کے نیر بوتھ سے باہر آیا تو اسکا چہرہ چمک رہا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کیس مل گیا بھائی کو۔ طاہر نے نیر کو دیکھتے ہی کہا۔

ابھی تو نہیں ملا لیکن مل جائے گا۔ نیر نے جواب دیا۔ پھر وہ انہیں اپنی گفتگو جو جنرل روز سے ہوئی تھی سنانے لگا۔ سرخ آنکھ کے ذکر پر پروفیسر افغانی چونک پڑا۔ پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

کہاں پہنچ گئے جناب۔ نصیر نے پروفیسر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اوں! میں سوچ رہا تھا کہ۔ یہ سرخ آنکھ واقعی اہمیت کی حامل ہے، مجھے پہلے ہی اندازہ لگالینا چاہیے تھا۔

کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ۔ کیسی اہمیت۔ نیر نے پوچھا۔

ابھی پچھلے دنوں فہرس مصری والے کیس میں ایک پراسرار کارڈ سامنے آیا تھا۔

کیسا کارڈ۔

سفید۔ چھوٹا سا کارڈ تھا جس کے ایک طرف ایک سرخ آنکھ بنی ہوئی تھی اور

دوسری طرف بقائے یہود۔ کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔

بقائے یہود۔؟

ہاں! بقائے یہود۔ مسٹر مائنڈ کی رپورٹ کے مطابق یہ ایک قدیم یہودی تحریک کا نام ہے جس میں اب شاید نئے سرے سے جان پڑ رہی ہے۔ اس تحریک کے اغراض و مقاصد میں تمام مسلم حکومتوں کو عموماً اور عرب مملکتوں کو خصوصاً تباہ کرنا شامل ہے۔

تب تو یہ سرخ آنکھ واقعی اہمیت کی حامل ہے۔ اور اسکا تعلق وہائٹ گینگ سے ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ وہائٹ گینگ صرف لوٹ مار کرنے والا ایک گروہ نہیں سیاسی نوعیت کی ایک باقاعدہ تنظیم ہے۔

یقیناً۔

اوہ۔ نیر منان نے کہا اور پھر وہ بھی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ایک لمحے خاموشی رہی پھر طاہر کرامت نے کہا۔ بھئی یہاں کھڑے رہنے سے وہائٹ گینگ اور سرخ آنکھ کو کوئی رنج نہیں آئے گی۔ اس لیے اب ہمیں چل دینا چاہیے۔

اور پھر وہ چاروں وہاں سے چلدیے۔

نیر منان شریفوں کی بستی۔ بہادر آباد کے ایک چھوٹے سے بنگلے میں رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ملازم بھی تھا جو کھانا پکانے کے علاوہ گھر کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔

نیر ناشتہ کے بعد ابھی صبح کا اخبار ہی دیکھ رہا تھا کہ ملازم نے ڈرائینگ روم میں داخل ہو کر اس کے سامنے تین وزیٹنگ کارڈ پیش کیے۔ اس نے اخبار میز پر رکھ کر وزیٹنگ کارڈز کو دیکھا۔ تینوں پر صرف نام لکھے ہوئے تھے۔ پتہ ٹیلی فون نمبر پر عہدہ وغیرہ کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ نیر نے ایک لمحہ کچھ سوچا اسکے بعد اٹھ کر ریڈیو سے ٹرانسمیٹر سوئچ آن کر دیا۔ پھر ملازم سے ملاقاتیوں کو وہیں بھیج دینے کے لیے کہا۔ اور خود خواب گاہ میں چلا گیا۔ تکیے کے نیچے سے اس نے اپنا آٹو میٹک نکالا اور اسے قمیض

کے اندر پیٹ کی بیلٹ میں اڑس لیا اور قمیض کے بٹن کھلے ہی رہنے دیے۔

جب وہ واپس ڈرائنگ روم میں آیا تو اس کے ملاقاتی آ چکے تھے۔ اور دروازے کی طرف بیٹھ گئے تھے۔ اس کے قدموں کی آواز سن کر وہ اس کی طرف مڑے اور نیر کے خدشوں کی تصدیق ہوگئی تینوں کے چہروں پر سفید نقاب تھے ہاتھوں میں سفید دستانے۔ ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا رخ نیر کی طرف تھا۔

اپنی قمیض کے اوپر والے بٹن بند کرتے ہوئے نیر نے نقاب پوشوں کو مسکرا کر دیکھا۔ پھر بولا۔ فرمائیے۔ میں آپ حضرات کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

اپنے ہاتھ اوپر رکھو اگر کوئی غلط حرکت کی تو انجام کے خود ذمہ دار ہو گے۔ ریوالور والے نے جو دوسروں کی نسبت زیادہ تندرست اور پھرتیلا معلوم ہو رہا تھا۔

ضرور۔ ضرور۔ ذرا قمیض کے بٹن تو لگا لوں۔ آپ لوگ اتنی جلدی یہاں آ گئے کہ میں کپڑے بھی اطمینان سے بدل سکا۔

جلدی کرو۔ اور دیکھو کسی چالاکی کی ضرورت نہیں ہے۔

نیر نے اطمینان سے اوپر کے بٹن لگائے پھر آخری بٹن کو لگاتے ہوئے اس کی انگلیاں قمیض کے اندر رینگ گئیں۔ آٹو میٹک نکالتے ہوئے اس نے اپنے جسم کو تیزی سے بائیں طرف صوفے پر گرا دیا۔ ہلکی ڈز کی آواز ہوئی اور نقاب پوش کے پستول کی گولی سامنے دیوار میں دھنس گئی۔

اپنے آپ کو گراتے ہوئے نیر نے بھی نقاب پوش کا نشانہ لیتے ہوئے آٹو میٹک چلانے کی کوشش کی لیکن اس سے پیشتر کہ اس کی انگلی ٹریگر کو دباتی کوئی اس پر گرا۔ وہ جو کوئی بھی تھا بہت تیز تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ سے نیر کے آٹو میٹک والے ہاتھ کو جھٹکا اور بائیں ہاتھ سے نیر کے منہ پر ضرب لگائی۔

نیر کسی چوتھے آدمی کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ اس لیے مار کھا گیا۔ اگر فوراً ہی بے بس کر لیا گیا چاروں ایک دم ہی اس سے چمٹ گئے تھے۔

تین وزیٹنگ کارڈ بھیجنے والی ترکیب کارآمد رہی ورنہ یہ کمبخت تو دھوکا دے ہی گیا تھا۔موٹے آدمی نے نئے آنے والے سے کہا۔نوکر کا انتظام کرآئے۔

ہاں رسی سے باندھ کر منہ میں کپڑا ٹھونس دیا ہے۔

ٹھیک ہے اب تم ہٹ جاؤ۔اگر اس نے کوئی حرکت کی تو میں بے دھڑک فائر کر دونگا۔

ہٹنے سے پہلے چوتھے نقاب پوش نے نیر کے کپڑوں کی سرسری سی تلاشی لی پھر اطمینان کا اظہار کرتے ہئے وہ ہٹ گیا۔

اب میرے دوست تم ادھر بیچ میں آجاؤ۔ریوالور والے نے نیر سے کہا۔

نیر نے خاموشی سے ایسا ہی کیا۔اور کمرے بیچ میں جا کھڑا ہوا۔وہ خوفزدہ نظر نہیں آرہا تھا۔ابھی تو اس کے پاس بچاؤ کی صورت تھی۔اس نے ان لوگوں کے آنے سے قبل ٹرنسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا تھا۔اسے یقین تھا کہ اس کے یہاں ہونے والی گفتگو جنرل روز نے ہیڈ کوارٹر میں اپنے ٹرانسمیٹر پر سن لی ہوگی۔اور فوراہی کسی نہ کسی کو اس کی مدد کے لیے بھیج دیا ہوگا۔

مسعود انور جیسے سیکرٹ فورس کے تمام ممبر جنرل روز کے نام سے پکارتے تھے اپنی لیبارٹری میں کسی تجربہ میں مصروف تھا کہ ٹرانسمیٹر اٹینڈنٹ نے اپنے کمرے سے فون پر نیر کے ڈرائینگ روم سے آنے والی آوازوں کے بارے میں بتایا۔

ڈاکٹر فوراہی ٹرانسمیٹر روم میں آیا۔ٹرانسمیٹر سے اجنبی آواز آرہی تھی۔

دوست تمہارا نام نیر منان ہی ہے۔

ہاں۔جواب میں نیر کی آواز آئی۔

تم ہی وہ بہادر تھے جس نے یونائیٹڈ بینک کے ڈاکے کو ناکام بنانے میں اہم حصہ لیا تھا۔اور ہمارے سردار کی موت کا باعث بنے تھے۔

شاید۔نیر کی آواز آئی۔

اتنا سنتے ہی ڈاکٹر نے فوراً ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور طاہر کرامت اور پروفیسر افغانی کو فون کرنے لگا۔ سیکرٹ فورس کے دوسرے ممبران کے مقابلے میں یہ دونوں نیر کے مکان کے زیادہ قریب رہتے تھے۔

دوسری طرف نقاب پوش نیر منان سے کہہ رہا تھا۔

دوست تم ہمارے مجرم ہو اپنی سزا کے لیے تیار ہو جاؤ۔

تیار ہوں۔

ایسے نہیں قمیض اتار دوں اور بنیان بھی۔

نیر نے چپ چاپ بٹن کھولے اور قمیض اتار کر صوفے پر پھینک دی۔ پھر بنیان بھی قمیض کی طرح اتار دیا۔

تم لوگ صوفے دیواروں سے ملا دو تا کہ ہمارے بہادر دوست کو ناچنے کے لیے کافی جگہ مل سکے۔ اور ریڈیو کو فل والیوم پر کھول دو تا کہ ان گیتوں کو جو یہ ہمیں سنائیں گے کوئی اور نہ سن سکے۔

نیر سمجھ گیا کہ یہ لوگ اسے کسی قسم کی اذیت دینا چاہتے ہیں۔ جو اسے تڑپنے اور چیخنے چلانے پر مجبور کر دے گی۔

جس نقاب پوش نے نیر پر حملہ کیا تھا۔ اس نے ریڈیو کا والیوم انتہا تک بڑھا دیا اور ریڈیو کی آواز کان پھاڑنے لگی۔

نیر سوچ رہا تھا کہ جنرل روز نے ٹرانسمیٹر پر کمرے میں ہونے والی گفتگو سن لی ہو گی۔ اور اب چند منٹ کی بات ہے۔ صرف تو یا دس منٹ کی کہ اسکا کوئی نہ کوئی ساتھی یہاں پہنچ جائے گا۔ زیادہ امکان پروفیسر افغانی اور طاہر کرامت کا تھا۔ بشرطیکہ وہ دونوں یا کوئی ایک گھر پر موجود ہوئے۔

دوست تیار ہو جاؤ۔ سفر کا پہلا دور شروع ہوتا ہے۔ ریوالور والے نے کہا۔

ذرا ایک منٹ! مجھے پیاس لگی ہے۔ کیا سزا دینے سے پہلے پانی نہیں پلواؤ گے۔

نیر نے دیوار گیر کلاک میں سیکنڈ کی حرکت کرتی ہوئی سوئی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں دوست ہم اتنے خوش اخلاق نہیں ہیں۔

ریوالور والا اس کو روکتے رہا۔ دوسرے نقاب پوشوں نے اپنی بیلٹ کھول لی۔ نیر نے دیکھا پتیوں میں لوہے کے کانٹے سے ابھرے ہوئے تھے۔ کانٹے وار ہنٹر۔ یہ ایک پر ان حربہ تھا۔ کافی اذیت ناک لیکن اتنا بھی نہیں کہ نیر کو چیخنے اور تڑپنے پر مجبور کردے۔ وہ پہلے بھی اس سے کہیں سخت مرحلوں سے کامیابی کے ساتھ گذر چکا تھا۔ اس نے ایک بار پھر کلاک کی طرف دیکھا۔ ابھی صرف دو منٹ گذرے تھے۔ وہ گھڑی کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کے ننگے جسم پر پہلا خاردار ہنٹر پڑا۔ ننھے ننھے کانٹے اس کے جسم پر چبھے اور اس کے منہ سے سسکاری نکل گئی۔ اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا تا کہ سسکی بھی نہ نکل سکے۔

ایک کے بعد دوسرا ہنٹر پڑتا رہا۔ سوئیاں سی جسم میں چبھتی رہی۔ لیکن نیر منان کوئی آواز نکالے بغیر سیدھا کھڑا رہا۔ اس کی نظریں دیوار پر کلاک پر جمی ہوئی تھیں۔ اور وہ بے تابی سے منٹ کی سوئی کو دیکھ رہا تھا۔ چار پانچ منٹ کے بعد ریوالور والے نے ہاتھ کے اشارے سے نقاب پوشوں کو روکا۔

بس کافی ہے۔ اس نے کہا۔

نقاب پوشوں نے پیٹیاں دوبارہ سے باندھ لی۔

تم لوگ چلو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ ریوالور والے نے کہا۔ اور تینوں نقاب پوش باہر نکل گئے۔

بہادر دوست شاید تم سمجھ رہے کہ تمہاری جان چھوٹ گئی۔ موٹے نے ریوالور نچاتے ہوئے نیر سے کہا۔

تو کیا ابھی کچھ باقی ہے۔ نیر نے اسکو باتوں میں لگانے کے خیال سے کہا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ چند منٹ اور وہیں رکے۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا جب موٹا وہیں

اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

صرف ڈیڑھ منٹ اور رکو۔ پھر تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا کہ ابھی کیا کچھ ہونا باقی ہے۔ ڈیڑھ منٹ کے بعد آنے والے کم از کم بارہ گھنٹے تم ہر سانس کے ساتھ ہمیں یاد کرو گے۔ بارہ گھنٹے بعد۔ اگر تم زندہ رہے اور سوچنے سمجھنے کے قابل رہ سکے تو یہ سوچنا کہ دنیا کا کونسا کونا ایسا ہے جہاں تم ہم سے محفوظ رہ سکو۔ کیونکہ ابھی تم سے کئی ملاقاتوں کا پروگرام ہے۔ ہر ملاقات کے اثرات پچھلی ملاقات سے بڑھ چڑھ کر اور دیرپا ہونگے۔

موٹے نقاب پوش کے الفاظ ختم ہوئے ہی تھے کہ نیر کے جسم میں درد کی پہلی ٹیس اٹھی۔ اور اس کے منہ سے بے ساختہ سسکاری نکل گئی۔

کانٹوں پر لگے ہوئے زہر نے کام شروع کر دیا۔ ڈیر۔ ناچ شروع کر دوں۔ کافی جگہ ہے۔ اور ساتھ ہی گانا بھی۔

درد کی ایک اور لہر جسم میں پیدا ہوئی۔ نیر نے بڑی مشکل سے اپنے جسم کو کانپنے سے روکا۔ اور بے ساختہ قسم کی چیخ کو گلے ہی میں گھونٹ دیا۔ اس کوشش میں اسکا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ اور ہونٹ کپکپا اٹھے۔ جس کے مسامات سے پسینہ چھوٹ نکلا۔

بہت بہادر ہو دوست لیکن کب تک برداشت کرو گے۔ یہ تکلیف ..... برداشت ہونی والی نہیں

درد کی ایک اور لہر جسم میں دوڑی۔ پھر ایک اور پھر جیسے ان لہروں کا طوفان آ گیا۔ نیر کے حواس تکلیف کی شدت سے زائل ہونے لگے۔ پھر اسے اپنا کچھ ہوش نہ رہا۔ وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ اور اس کے منہ سے دبی دبی چیخیں نکلنے لگیں۔ گذرے لمحوں کے ساتھ اس کی تڑپ اور چیخوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور پھر وہ فرش پر لوٹنے لگا۔ اور اس کی چیخیں ریڈیو کی آواز پر غالب آنے لگیں۔

ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے نقاب پوش کھڑا ہو گیا۔ اور پھر تیزی سے کمرے

سینک گیا۔ وہ بنگلے سے باہر نکلا تو اس کے ساتھی کار میں تیار بیٹھے تھے۔ سڑک سنسان تھی۔ اور اسی سڑک پر ایک کار مڑ رہی تھی۔

چلو جلدی کرو۔ نقاب پوش نے کار میں بیٹھ کر کہا۔ وہ تیزی سے دستانے اتر رہا تھا۔ اس کے ساتھی پہلے ہی نقاب اور دستانوں سے چھٹکارا پا چکے تھے۔

کار تیزی سے اسٹارٹ کی گئی۔ اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

اسی سڑک پر مڑنے والی کار قریب آئی گئی پھر بنگلے کے سامنے آ کر رک گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر طاہر کرامت تھا۔ اس نے شش و پنج کی حالت میں کچھ سوچا۔ سامنے دور ہوتی ہوئی کار کو دیکھا۔ اور پلٹ کر اس طرف دیکھنے لگا۔ جدھر سے آیا تھا۔ ایک اور کار اسی طرف آ رہی تھی۔ اس نے دور ہی سے پروفیسر افغانی کی کار کو پہچان کر اطمینان کا سانس لیا۔ اور بنگلے سے ابھرتی ہوئی ریڈیو کی آواز میں دبی ہوئی چیخوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ نظریں دور ہوئی ہوئی کار پر جم گئیں۔

پروفیسر افغانی کے کار روکتے ہوئے فوراً ہی کار سے چھلانگ لگائی اور دوڑتا ہو بنگلے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جو اس نے بنگلے میں داخل ہوتے ہوتے نکال لیا تھا۔

ڈرائینگ روم میں اس کی نظر تڑپتے چیختے نیر پر پڑی اور بے ساختہ..... ریوالور کو پتلون کی جیب میں ٹھونس کر وہ نیر پر جھک گیا۔ اس نے نیر کو سنبھالنا چاہا لیکن وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گیا۔ وہ بے بسی سے اپنے تڑپتے ہوئے ساتھی کو دیکھتا رہا۔ پھر اسے خیال آیا اور اس نے ٹیلی فون پر سیکرٹ فورس کے ہیڈ کوارٹر کے نمبر ڈائل کیئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جنرل روز نے فون اٹھایا۔ اس نے جلدی جلدی اس کو نیر کی حالت سے مطلع کیا۔ جنرل روز نے فوراً نیر کو اپنے پاس لانے کے

لیے کہا۔ پروفیسر افغانی ریسیور رکھ کر اپنے دوست کو دیکھنے لگا۔ جس کی آواز چیختے چیختے پھٹ گئی تھی۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

☆انوکھا مجرم

احمد منیر ۳۸۔ دلکشا کالونی کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ ایک خاصا وسیع بنگلہ تھا۔ بناوٹ بڑی پیاری تھی۔ اور ایک وسیع لان بنگلہ کی شان کو دوبالا کر رہا تھا۔

نسیم صہبائی اچھے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنی محنت سے اپنا نام بنایا تھا۔ اس کی کتابیں ملک کے ہر گوشے میں پڑھی جاتی تھیں اور بے حد مقبول تھیں۔ اس کی نئی کتاب کا بے چینی سے انتظار کیا جاتا اور ہر نئی کتاب ہاتھوں ہاتھ بک جاتی تھی۔ اس کی آمدنی اتنی تھی کہ وہ ایک اچھے بنگلے میں رہ سکتا تھا۔ احمد منیر کو حیرت اس بات کی تھی کہ اتنے کامیاب مصنف کو قانون سے آنکھ مچولی کھیلنے کی کیا سوجھی۔ کس نے اسے اس تباہ کن حرکت پر اکسایا تھا۔

بینک میں میگافون والے کی لاش کے فوٹو معمول کے مطابق اتار لئے گئے تھے۔ بار بار احمد منیر کو یہ خیال ہوتا تھا کہ اس نے اس شخص کو کہیں دیکھا ہے۔ باوجود کوشش کے جب اسے یاد نہ آیا تو وہ شہر کے مشہور اخبار کے ایک فوٹو گرافر سے ملا اور اسے لاش کے فوٹو دکھائے۔ فوٹو دیکھتے ہی اس نے بتا دیا کہ یہ فوٹو مشہور مصنف نسیم صہبائی کے ہیں۔ اس فوٹو گرافر ہی سے اسے نسیم صہبائی کے گھر کا پتہ معلوم ہوا تھا۔

احمد منیر نے آگے بڑھ کر کال بیل کا بٹن دبایا اور رک کر کسی کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ بنگلے کے دروازے میں ایک سات آٹھ سال کی بچی نمودار ہوئی۔ اس کے پیچھے ایک خاتون تھی۔ خاتون وہیں ٹھہر کر احمد منیر کی طرف دیکھنے لگی۔ لڑکی اچھلتی کودتی اس کی طرف بڑھی اور قریب آ کر بولی۔ ہماری امی پوچھ رہی ہیں آپ کون ہیں؟

آپ کے ابا گھر پر ہیں۔؟ احمد منیر نے لڑکی کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

پاپا نہیں ہیں۔ امی ہیں دیکھتے وہ رہیں۔ لڑکی نے معصومیت سے خاتون کی طرف

اشارہ کیا۔

آپ کے پاپا کا نام نسیم ہے اور وہ کتابیں لکھتے ہیں۔

ہاں۔آپ تو ہمارے کو جانتے ہیں۔ہم تو آپ کو نہیں جانتے۔

اچھا آپ اپنی امی سے جا کر کہیے کہ ہمیں ایک ضروری کام ہے ہم انھیں ہی اپنا نام بتائیں گے۔

لڑکی نے سر ہلایا اور دوڑتی ہوئی اپنی ماں کے پاس گئی۔احمد منیر اسکو اچھلتا کودتا ہوا دیکھ کر تڑپ اٹھا۔اتنی پیاری بچی اپنے باپ سے محروم ہوگئی۔اور اس کی ماں شاید اپنا سہاگ لٹنے کی خبر سے ناواقف تھی۔یہ گھر یہ خاندان کسی مجرم کا نہیں۔معلوم ہوتا ہے یہاں تو برائی چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔شاید۔

لڑکی واپس آ رہی تھی۔خاتون مکان میں واپس چلی گئی تھیں۔

چلئے امی آپکو بلاتی ہیں۔لڑکی نے اپنی آنکھوں کو شوخ انداز میں نچاتے ہوئے کہا۔احمد منیر اسکے ساتھ ہولیا۔

لڑکی اسے ڈرائینگ روم میں لے گئی جہاں اس کی ماں بیٹھیں ہوئی تھیں جو احمد منیر کو دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی۔

بیٹھے۔خاتون نے آنکھیں نیچی کئے ہوئے ہاتھ سے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

احمد منیر صوفے پر بیٹھ گیا۔خاتون بھی اس کے سامنے ہی دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔وہ شاید پردہ نہیں کرتی تھیں۔لیکن اس کی آنکھوں میں مشرقی حیا بدرجہ اتم موجود تھی۔اور لباس بھی کس طرح قابل اعتراض نہ تھا۔یہ ایک ایسی بات تھی جو آج کل چند ہی خاندانوں میں پائی جاتی ہے۔

اس شریف عورت کے سامنے احمد منیر کی زبان گنگ ہوگئی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی بات کسی طرح شروع کرے۔خاتون اس کے بولنے کی منتظر

آنکھیں جھکائے بیٹھی تھی۔اس کی لڑکی دونوں کی صورت تک رہی تھی۔

آپ مسز صہبانی ہیں۔احمد منیر نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

فرمایئے۔سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا۔

آپ بتاسکیں گی کہ آپ کے شوہر اس وقت کہاں ہیں۔

وہ کل صبح سے گئے ہوئے ہیں۔اور یہ بتا کر نہیں گئے کہ کہاں جا رہے ہیں۔

آپ کو ان کی غیر حاضری پر تشویش نہیں ہے۔

وہ مجھے بتا کر نہیں جاتے۔اور اکثر دو دو تین تین غائب رہتے ہیں پچھلے چند ہفتوں سے ان کی یہی عادت ہوگئی ہے۔شروع میں تو مجھے پریشانی ہوئی تھی لیکن اب عادی ہوگئی ہوں۔

کیا چند ہفتے قبل وہ اس طرح بغیر بتائے نہیں جاتے تھے۔

جی نہیں۔اس سے پہلے وہ بغیر بتائے کہیں نہیں جاتے تھے۔مگر آپ یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں۔کہیں ان کو.....انکو.....''

مسز صہبانی نے نظریں اٹھا کر احمد منیر کو دیکھا۔نگاہیں ملتے ہی احمد منیر نے اپنی نظریں جھکالیں پھر بولا۔

آپ میرے چند سوالوں کا جواب دیں تو پھر میں آپ کو مسٹر صہبانی کے متعلق کچھ بتا سکونگا۔ویسے میں اپنا تعارف کرئے دیتا ہوں۔احمد منیر نے جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکالا اور مسٹر صہبانی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

مسٹر صہبانی نے کارڈ کو بغور دیکھا اور اس پر احمد منیر کا عہدہ لکھا ہوا دیکھ کر چونک گئی۔

فرمایئے۔اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

آپ کے کہنے کے مطابق چند ہفتوں سے آپ کے شوہر گھر سے کچھ بتائے بغیر غائب رہنے لگے تھے۔کیا آپ اس تبدیلی کی کوئی وجہ بتاسکیں گے۔

جی نہیں۔ میں نے ان سے بہت معلوم کرنا چاہا کہ وہ کہاں جاتے ہیں مگر انھوں نے کبھی کوئی صحیح بات نہیں بتائی۔ ان کے کئے پبلشر پچھلے دنوں ان سے کتابوں کا تقاضہ کرنے آتے تھے۔ پھر بھی انھوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

اور کوئی خاص بات۔

وہ کافی بدل گئے تھے۔ لیکن پہلے آپ مجھے ان کے بارے میں بتائیں میرا دل گھبرا رہا ہے۔

آپ اطمینان رکھیں میں تفصیل سے ان کے بارے میں بتا دونگا۔ پہلے آپ میرے دو تین سوالوں کا جواب اور دیدیں۔

وہ خیریت سے تو ہیں۔

مسٹر صبہانی تفصیل بتائیے کہ آپکو اپنے شوہر میں کیا کیا تبدیلیاں نظر آئی تھیں۔ پھر میں آپ کے ہر سوال کا جواب دونگا۔

ان کا مزاج یکسر بدل گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انکا جسم وہی ہے لیکن روح بدل گئی ہے۔ ذہن بدل گیا ہے پہلے وہ ہر وقت ہنستے بولتے رہتے تھے۔ لیکن آج کل گم سم اور خاموش رہتے۔ کھانے میں اپنی پسندیدہ چیزوں سے نفرت کرنے لگے تھے۔ پہلے لکھنے کا بہت شوق تھا لیکن پچھلے دنوں قلم کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بے بی کو بہت چاہتے تھے۔ لیکن پچھلے دنوں بات بے بات اسے جھڑکتے رہتے۔

یہ تو بڑی حیرت انگیز اور انہونی باتیں بتا رہی ہیں آپ۔ یہ تو واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ان کی فطرت سی بدل گئی ہو۔ میرے خیال میں اس کو کوئی وجہ ضرور رہی ہو گی۔ کیا آپ اس سلسلے میں کچھ بتا سکیں گی۔

پہلے ہمارا خیال تھا کہ شاید بیماری کی وجہ سے چڑچڑے ہو گئے ہوں۔ لیکن چڑچڑا ہونا اور بات ہے اور فطرت کی تبدیلی دوسری بات۔

کیاوہ بیمار بھی ہوئے تھے۔

جی ہاں۔ دو تین ہفتوں کی بیماری کے بعد ہی سے یہ تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔

پچھلے دنوں وہ مالی طور پر پریشان تو نہ تھے۔

جی نہیں! وہ بہت تیز لکھنے والے تھے۔ اور کتابوں کی اشاعت سے معاوضہ بھی بہت معقول ملتا تھا۔ اس لئے مالی پریشانی کا تو کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

گویا آپ کے خیال میں انھیں مالی پریشانی نہیں تھی۔ اور نہ ہی غیر معمولی طور پر ان کی آمدنی میں کہیں سے اضافہ ہوا تھا۔

جی نہیں! میرے خیال میں ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ان سوالوں سے میری پریشانی بڑھ گئی ہے۔ کہیں ان پر کسی غیر قانونی حرکت کا الزام تو نہیں ہے۔

مسٹر صہبانی آپ کافی ذہین ہیں۔ اور مجھے بڑے افسوس کے ساتھ آپ کے خیال کی تائید کرنی پڑ رہی ہے۔

یعنی..... آپ کا مطلب ہے کہ میرے شوہر.....

دیکھئے آپ نے یونیورسل بینک میں ناکام ڈاکے کا حال اخباروں میں پڑھا ہو گا۔

جی ہاں پڑھا تھا۔ مگر میرے شوہر کا اس سے کیا واسطہ۔

آپ کے شوہر ہی ڈاکوؤں کی سربراہی کر رہے تھے۔ اور اپنے ہی ایک ساتھی کی فائرنگ کا نشانہ بنے تھے۔ بعض مصلحتوں کی بنا پر اخبار میں ہم نے ان کی فوٹو شائع نہیں کی تھی۔

نہیں! مسٹر صہبانی چیخ اٹھی۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ جھوٹ بول رہے

نسیم کا تعلق شریف خاندان سے ہے۔ اوہ خود بھی بے حد شریف ہیں۔ وہ ڈاکو ہوں ناممکن ہے۔ بالکل ناممکن۔

مسر صہبانی کی لڑکی ماں کو چیختا دیکھ کر رونی لگی۔ احمد منیر خاموش رہا۔ احمد منیر خا

موش رہا۔

پلیز۔مسٹر آپ خاموش کیوں ہے بتاتے کیوں نہیں کہ میرے شوہر کہاں ہیں۔ آپ اپنی بات کی تردید کیوں نہیں کرتے کہ میرے شوہر کہں ہیں۔آپ کہتے کیوں نہیں کہ ابھی آپ نے جو کچھ کہا تھا وہ جھوٹ ہے۔

مجھے افسوس ہے مسز صبہانی ! احمد منیر نے افسردہ لہجے میں کہا۔آپ کے شوہر ڈاکوؤں کی رہنمائی کرتے ہوئے مارے گئے۔یہ ان کے چند فوٹو ہیں خود دیکھ لیجئے۔

احمد منیر نے تصویر جیب سے نکال کر مسز صبہانی کو دیں۔مسز صبہانی نے تصویروں کو دیکھا اور اسکا چہرہ زرد پڑ گیا۔وہ خاموشی سے اٹھی اور تصویریں ہاتھ میں تھامے اپنی لڑکی کے ساتھ کمرے سے چلی گئی۔احمد منیر نے اسے مخاطب ہو کرنا چاہا پھر خاموش رہ گیا۔

30.04.2007

پھر وہ نسیم صبہانی کے متعلق سوچنے لگا۔اس کی بیماری کے متعلق سوچنے لگا۔جس کے اثرات ذہنی کا یا پلٹ کا باعث بنے تھے۔یا پھر یہ ذہنی کا یا پلٹ کسی اور سبب کا نتیجہ رہی ہو گی۔کیونکہ کوئی بھی بیماری ذہنی تبدیلی کا باعث نہیں ہو سکتی۔آدمی حادثاتی واقعات کے نتیجے میں اپنی یاداشت کھو سکتا ہے۔اور پھر نئے خیالات اپنا سکتا ہے۔لیکن یاداشت قائم رہے اور عادات تبدیل ہو جائیں ایسی کوئی بیماری ابھی تک سامنے نہیں آئی تھی۔لیکن کون جانے واقعی کوئی بیماری موجود ہو۔ انسان کی معلومات اب بھی محدود ہیں اس سلسلے میں اس نے کسی ماہر نفسیات سے بات کرنے کا تہیہ کرلیا۔

مسز صبہانی واپس آئی تو اس کے ساتھ ایک ضعیف آدمی تھا جو اسکا سہارا لئے چل رہا تھا۔ بوڑھے کی آنکو میں آنسو تیر رہے تھے۔ہاتھ میں احمد منیر کی وہ ہوئی تصویریں تھیں۔

احمد منیر سلام کرتا ہوا پیشوائی کے لیے کھڑا ہو گیا۔

بیٹھے، بیٹھے، بوڑھے نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

احمد منیر کے ساتھ ہی وہ مسز صبہانی کی مدد سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ احمد منیر خاموش اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

یہ میرے شوہر کے والد ہیں۔ مسز صبہانی نے بڑی کوشش سے کہا۔

اوہ! احمد منیر صرف اتنا ہی کہہ رہا تھا۔

بیٹا یہ تصویریں جو کچھ دکھا رہی ہیں کیا وہ درست ہے؟ بوڑھے آدمی نے سانس درست کرتے ہوئے کہا۔

جی ہاں! مجھے بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب درست ہے۔

مجھے یقین نہیں آیا۔ میرا بیٹا ڈاکو کیسے ہو سکتا ہے۔ میری تو سات پشتوں میں کوئی چور نہیں نکلا..... اور نسیم۔۔۔ میرا نسیم تو بے حد نیک اور شریف تھا۔ اس سے تو کسی چیونٹی کو بھی گزند نہیں پہنچا۔ وہ انسان کو کس طرح ہلاک کر سکتا تھا۔ مجھے ان تصویروں پر اعتبار نہیں مجھے اس کی شکل دکھاؤ۔

محترم اس چار دیواری میں قدم رکھنے کے بعد مجھے یقین نہیں آتا کہ نسیم صبہانی ہی وہ شخص ہے جو ان تصویروں میں بے جان پڑا ہے۔ لیکن حقیقت بظاہر کتنی ہی غیر تیقینی ہو اپنے کو منوا کر رہتی ہے۔ ویسے میری آمد کا مقصد آپ لوگوں کو اپنے ساتھ شناختی کاروائی کے لیے لیجانے کا تھا۔

یہ سنکر مسز صبہانی اور صبہانی کا باپ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

ٹھہریے میں ٹیکسی لے آتا ہوں۔ احمد منیر نے کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

شناختی کاروائی میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ باپ اور بیوی کو ایک نظر نے بتا دیا کہ یہ کس کی لاش ہے۔ اس شناخت نے جہاں احمد منیر کا ایک مسئلہ حل کر دیا تھا وہاں

دوسرا مسئلہ پیدا کر دیا تھا۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نسیم صہبانی آخر کونسی قوت ڈاکو بننے پر مجبور کر سکتی ہے۔اس کے سامنے فاضل بیگ کا بیان بھی تھا وہ ایک تاجر تھا۔اس کی اقتصادی حالت بھی اچھی تھی۔لیکن وہ ڈاکے ڈالتا رہا تھا۔وہائٹ گینگ کا ممبر تھا۔اور اس کے اپنے بیان کے مطابق وہ یہ سب کچھ اعزازی طور پر کر رہا تھا۔اعزازی طور پر ڈاکے ڈالنے والی بات منیر کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔بھلا ڈاکے ڈالنا کس اعزاز کا باعث ہو سکتا ہے۔

احمد منیر نے نسیم صہبانی کے والد اور اس کی بیوہ کو ان کے گھر چھوڑا اس نے ان سے اجازت لے کر مرنے والے کے ذاتی کاغذات کا جائزہ بھی لیا۔لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔یہ بات راز ہی رہی کہ نسیم صہبانی ڈاکے کیوں ڈالتا تھا۔

نسیم صہبانی کے گھر سے لوٹ کر احمد منیر آفس آیا۔اور ماتحتوں کی رپورٹیں دیکھنے لگا۔لیکن ان میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔

احمد منیر چیف انسپکٹر لے لیے کیس رپورٹ لکھنے لگا۔رپورٹ تیار کرنے کے لیے اسے گواہوں کے بیانات دیکھنے پڑے۔تب ایک نئی چیز اس کے سامنے آئی۔اسے معلوم ہوا کہ ایک آدمی کا بیان نہیں لیا گیا تھا۔اس کے ایک ساتھی نے بیان دیا تھا۔اس وقت کافی سمجھا گیا تھا۔لیکن اب دوسرے گواہوں کے بیان سے احمد منیر کو اندازہ ہوا کہ اس شخص کا بیان ادھورا تھا۔کم از کم اس سے ایک سوال کا جواب لینا ضروری تھا۔وہ سوال کافی اہم ہو سکتا تھا۔احم منیر نے اس شخص کا پتہ نوٹ کر لیا۔وہ فوری طور پر اس سے ملنے کا ارادہ کر چکا تھا۔اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔احمد منیر نے ریسیور کان لگا کر کہا۔ہیلو۔

ریسپشنسٹ اسپیکنگ سر۔

کیا بات ہے۔

کسی پروفیسر افغانی نے فون پر اطلاع دی تھی کہ اس کے ایک ساتھی پر صبح وہائٹ

گینگ کے چار آدمیوں نے حملہ کر کے اسے زدوکوب کیا ہے۔

اوہ! ساتھی کا نام اور پتہ؟ جواب مین ریسپشنسٹ نے جو نام اور پتہ بتایا اسے سنکر احمد منیر چونک پڑا کیونکہ یہی پتہ تھا جو ابھی تھوڑی دیر قبل وہ اپنی نوٹ بک میں درج کر چکا تھا۔ نیر منان کا پتہ۔

نیر منان اپنے آرامدہ بست کا سہارا لیے بیٹھا تھا۔ اس کا رنگ زرد اور جسم پٹیوں سے کسا ہوا تھا۔ چھ گھنٹے کی شدید تکلیف نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

چھ گھنٹے بعد اسے زہر کے اثرات سے چھٹکارا ملا تھا۔ اسکے لیے بھی وہ ڈاکٹر مسعود انور کا شکر گزار تھا۔ جس نے اپنی لیبورٹری میں اس کا خون کا نمونہ لے کر اس میں موجود زہر کا کامیاب تجزیہ کیا تھا۔ اور پھر اس کا توڑ بھی دریافت کر لیا تھا۔ اس سارے کام میں ڈاکٹر انور کے پانچ چھ گھنٹے صرف ہوئے تھے۔ پروفیسر افغانی ہی اس ڈاکٹر کی لیبارٹری سے یہاں لایا تھا اور اب بھی اس کے پاس موجود تھا۔

ڈاکٹر مسعود انور کا فون وصول کرتے ہی پروفیسر افغانی اور طاہر کرامت جو اتفاق سے اپنے اپنے گھروں میں موجود تھے آندھی اور طوفان کی طرح نیر کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ دونوں تقریبا ساتھ ہی ساتھ پہنچ گئے تھے۔ طاہر کرامت نے نیر کے بنگلے سے کار روانہ ہوتی دیکھ کر بڑی تیزی سے سوچا تھا۔ اور افغانی کی کار دیکھ کر اس نے روانہ ہونے والی کار کا تعاقب کرنے کی ٹھان لی۔ تعاقب کے خاتمے کے بعد جب وہ واپس لوٹا تو اس کے پاس حملہ کرنے والے چار آدمیوں میں سے ایک کا پتہ تھا۔ وہی جس کی کار تھی۔ باقی تین مختلف جگہوں پر کار سے اتر گئے تھے۔

نیر کے جسم سے زہر کے اثرات دور ہو جانے کے بعد ڈاکٹر مسعود انور نے طے کیا تھا کہ موجودہ سلسلے میں انھیں شروع ہی سے پولیس سے تعاون کرنا چاہیے اسی

لیے پروفیسر افغانی نے نیر کے مکان پر پہنچ کر محکمہ سراغ رسانی کو فون کیا تھا۔ اور اب وہ محکمہ کی طرف سے کسی کی آمد کا منتظر تھا۔

کال بیل نے کسی کی آمد کا اعلان کیا۔ پروفیسر افغانی آنے والے کو ریسیو کرنے گیا۔ آنے والا احمد منیر تھا۔ وہ اسے نیر کے کمرہ میں لے آیا۔

احمد منیر نے اپنی نوٹ بک کھول کر پنسل سنبھالی اور ان کے بیانات شارٹ ہینڈ میں درج کرنے لگا۔ اس کا ہاتھ تیزی سے چلتا رہا۔ پہلا بیان پروفیسر افغانی کا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ جب وہ اپنے دوست سے ملنے آیا تو اسے زخمی حالت میں فرش پر پڑا پایا۔ یہ دیکھ کر اس نے اپنے ایک اور دوست کو فون کر کے بلا لیا۔ اور اسکی مدد سے نیر کے زخموں کو صاف کر کے اس کی مرہم پٹی کی۔

ڈاکٹر کو کیوں نہیں بلایا۔ احمد منیر نے پوچھا۔

زخموں کی نوعیت ایسی تھی کہ فرسٹ ایڈ سے واقفیت رکھنے والا کوئی بھی آدمی ان کی دیکھ بھال کر سکتا تھا۔ اور میں تو فرسٹ ایڈ کا ایڈوانس کورس پاس کر چکا ہوں۔ پروفیسر افغانی نے جواب دیا۔

اب آپ کی باری ہے۔ احمد نے نیر سے کہا۔

نیر نے جو کچھ بیتی تھی۔ بتا دی۔ صرف ٹرانسمیٹر کا تذکرہ نہیں کیا۔ اور بیان کے آخری حصہ کو پروفیسر افغانی کے بیان کے مطابق کر دیا۔

آپ نے ڈاکے کے متعلق کوئی بیان نہیں دیا تھا۔ احمد منیر نے پوچھا۔

جو کچھ ہوا تھا میں نے نے بتا تو دیا تھا۔ نیر کے بجاء پروفیسر افغانی نے جواب دیا۔

جی ہاں۔ لیکن شاید آپ کو کوئی بات معلوم نہ ہو جو صرف ان کو معلوم ہو۔

احمد منیر نے نیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروفیسر افغانی سے کہا۔

ایسی تو کوئی بات نہیں۔ نیر نے جواب دیا۔

ذرا یاد کرنے کی کوشش کیجئے۔

نیر منان نے ایسا کیا جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ بالآخر وہ بولا۔ نہیں یاد آیا۔

دیکھئے میں یاد دلاتا ہوں۔ ایک بیان کے مطابق آپ مرتے ہوئے ڈاکو پر جھکے ہوئے کچھ سننے کی کوشش کر رہے تھے۔ کوئی بات یا شاید کوئی نقطہ جو میگافون والے نے مرنے سے پہلے کہنا چاہا تھ۔

نیر منان نے ایک لمحہ سوچا۔ سچ بولنے میں اسے کوئی نقصان نظر نہیں آیا تو اس نے کہا۔ مجھے یاد آ گیا۔ بات بڑی عجیب اور غیر اہم تھی اسی لیے میں بھول گیا۔ مرنے والے نے کہا تھا۔ سرخ آنکھ سے کہدو۔

کیا۔؟ احمد منیر نے بے ساختہ کہا۔

وہ سرخ آنکھ سے کہدوں کی تکرار کرتے ہوئے مر گیا تھا۔

احمد منیر مشکوک نظروں سے نیر منان کو دیکھنے لگا۔

شاید آپ کو میرے الفاظ پر یقین نہیں آیا۔

جی ہاں۔ بات ہی ایسی ہے۔ آپ غلط بیانی سے تو کام نہیں لے رہے ہیں۔

بھلا مجھے غلط بیانی سے کیا فائدہ ہوگا۔ نیر نے لہجہ کو تلخ بناتے ہوئے کہا۔

میرا مطلب ہے کہ آپ نے غلط تو نہیں سنا تھا۔

جی نہیں۔ الفاظ کئی مرتبہ دہرائے گئے تھے اس لیے غلطی کا کوئی امکان نہیں۔

سرخ آنکھ سے کہدو۔ بھلا کیا بات بنی۔

بات بن یا بن نے کی ذمہ داری میری نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ سنا تھا وہ آپ کو بتا دیا۔ میرا خیال ہے کہ شاید اسی وجہ سے میں یہ بات بھول بھی گیا تھا۔

شکریہ۔

شکریہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ پولیس سے تعاون کرنا میرا فرض ہے۔

افسوس تو ہے کہ بیشتر لوگ ایسا نہیں سوچتے۔ احمد منیر نے کہا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔

ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ کچھ چائے وغیرہ سے شغل کرتے جایئے۔ پروفیسر بولا۔

نہیں بھئی شکریہ! احمد منیر نے دروازہ کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ پھر پلٹ کر بولا۔ اگر کوئی بات آپ کو ایسی یاد آ جائے جو آپ نہ بتائی ہو تو فون پر اطلاع کرنا نہ بھولیے۔

نیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور احمد منیر پروفیسر افغانی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب پروفیسر افغانی واپس لوٹا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

یہ شخص بہت تیز ہے ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھتا ہے۔ کہ محض یہ دیکھنے کے لیے کہ ہم لوگ اس کے مڑتے ہی آپس میں کوئی اشارہ تو نہیں کر رہے ہیں۔

جاتے جاتے پلٹ کر خواہ مخواہ تمہیں مخاطب کیا۔

ہاں۔ نیر نے جواب دیا اور سوچ میں ڈوب گیا۔

☆ عجیب مجرم

تین دن بعد نیر جنرل روز کو فون کر رہا تھا۔

سر میں اب بالکل ٹھیک ہوں اور کام شروع کر دینا چاہتا ہوں۔

کرنل براؤن۔ بہتر ہو گا کا چند دان اور انتظار کر لو۔ میں یہ کیس تمہیں دینے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ تمہیں مطمئن رہنا چاہیے۔

سر اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کوئی کمزوری اور تکلیف باقی نہیں ہے۔

اچھا تو پھر میں فائل تمہیں بھجوائے دیتا ہوں۔ تم پر حملہ کرنے والے کے بارے میں طاہر نے جو کچھ معلومات حاصل کی ہیں۔ وہ بھی تمہیں فائل میں مل جائیں گی۔ فائل کے مطالعہ کے بعد مجھے فون کر لینا۔

شکریہ سر! بہت اچھا سر۔ یہ کہہ کر رخصتی کلمات کے بعد نیر منان نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ایک گھنٹے بعد طاہر کرامت اپنے ہاتھ میں سرخ رنگ کا ایک فائل لیے جو عام فائلوں سے ذرا مختلف اور کسی مضبوط کاغذ کا بنایا ہوا تھا۔ نیر کے بنگلے میں داخل ہوا۔ جیسے ہی نیر نے طاہر کے ہاتھ میں فائل دیکھی جھپٹ کر اس سے چھین لی اور کھول کر دیکھنے لگا۔ طاہر کرامت اس کی بے صبری پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ فائل میں نے ترتیب دیا ہے۔ شروع میں وہائٹ گینگ کی تھوڑی سی ہسٹری جسے جو اخبارات کی خبروں سے ترتیب دی گئی ہے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اس کے بعد مختلف ذرائع سے حاصل شدہ معلومات پر مبنی رپورٹیں ہیں۔ یہ حصہ بہت اہم ہے۔ اور بڑی حیرت انگیز معلومات رکھتا ہے۔ احمد منیر کی تحقیقات سے متعلق رپورٹ خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ رپورٹ محکمہ سراغ رسانی میں ہمارے مخبر ریسپشنسٹ نے بھیجی تھی۔ آخر میں تم پر حملہ کرنے والے کے بارے میں جو کچھ معلوم کر سکا ہوں اس کی تفصیل ہے۔

بہت اچھی ترتیب ہے۔معلوم ہوتا ہے پچھلے دو دن سے تم اسی کام میں لگے ہوئے تھے۔نیر نے تعریف کی۔

ہاں۔ دو دن کے عرصے میں اتنی معلومات اکٹھا کر لینا کافی مشکل تھا۔

ہاں۔اس میں کیا شک ہے۔یہ کہہ کر نیر فائل کے مطالعہ میں کھو گیا۔

شروع کے حصے میں واقعی کچھ نہیں تھا۔اسکو سرسری نظر سے دیکھتا ہوا وہ احمد منیر کی کار گذاریوں والے حصے تک آیا۔وہ پوری رپورٹ اسے تفصیل سے دیکھنی پڑی۔خصوصا وہ حصہ جہاں نسیم صہبائی کے بارے میں تحقیقات کا ماحصل درج تھا۔نسیم صہبائی کی ذہنی کایا پلٹ اور اسکے بارے میں احمد منیر کے تاثرات نیر کو بہت دلچسپ معلوم ہوئے۔آخر میں طاہر کرامت کی رپورٹ تھی۔اس نے نیر پر حملہ کرنے والے کے بارے میں لکھا تھا۔

نام۔غلام احم برنی۔ایم۔ایس۔سی۔پی ایچ ڈی

پیشہ۔سینئر ریسرچ آفیسر۔کونسل آف ریسرچ اینڈ سائنس ڈیپو لیمنٹ۔

پتہ۔E. 3 ڈیفنس کالونی۔

حلیہ۔قد پانچ فٹ دس انچ۔وزن ایک سو دس پونڈ تقریبا۔

بالوں کا رنگ۔ سیاہ۔ آنکھیں سنہری مائل بھوری۔

رنگ۔کھلتا ہوا گندمی۔چوڑے جبڑے۔اونچی ناک اور غیر معمولی کشادہ پیشانی۔

نشان شناخت۔بائیں آنکھ پر دو نمایاں تل۔

یہ شخص زہروں پر تحقیقی کام کر رہا ہے۔شریف طبیعت ہے۔اپنے ساتھیوں سے سلوک بہت اچھا ہے۔شادی شدہ ہے لیکن ازدواجی زندگی خوشگوار نہیں۔گھر میں بہت کم وقت گذارتا ہے۔دن کا بیشتر حصہ لیبارٹری میں گزارتا ہے۔اور رات کو کلب میں۔دو تین کلبوں کا ممبر ہے۔گولڈن اسکارپئن کلب باقاعدگی سے جاتا

ہے۔ اولاد نہیں۔ شاہ خرچ ہے اس لیے مالی حالت بہت اچھی نہیں ہے۔ اتنی خراب بھی نہیں ہے کہ ڈاکے ڈالنے کی نوبت آئے پچھلے چند ہفتوں سے دفتر میں چھٹی لے رکھی ہے۔ بیشتر وقت دوستوں میں گذارتا ہے۔ شام کو ساڑھے سات بجے بلا ناغہ گولڈن اسکاپیئن کلب جاتا ہے۔ اور رات گئے گھر لوٹتا ہے۔

نیر نے فائل پڑھکر طویل سانس لیا۔ اور طاہر کو دیکھنے لگا۔

فائل پڑھ کر کیا اندازہ لگایا۔ طاہر نے اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کس کے بارے میں۔

وہائٹ گینگ کے بارے میں۔ آخر یہ کس قسم کی تنظیم ہے۔ اور اس کے ممبر کوئی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے بھی وہائٹ گینگ میں شمولیت کیوں اختیار کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ احمد منیر کی رپورٹ کے مطابق وہ اپنے ذاتی کام پر وہائٹ گینگ کے کام کو افضلیت کر دیتے ہیں۔ فرض کی سی افضلیت۔

میں نے ایک اندازہ لگایا ہے اس سلسلے میں۔ نیر نے سوچتے ہوئے کہا۔

بھلا وہ کیا۔

وہائٹ گینگ میں شمولیت کا مقصد سیاسی نوعیت کا ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے وہائٹ گینگ کا ہر ممبر کوئی واضح سیاسی مقصد رکھتا ہو۔ جس کی تکمیل کے لیے وہ پورے جوش سے کام کرتا ہو۔ لیکن اس بارے میں اس وقت تک یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا جب تک مشتبہ افراد کے سیاسی نظریات کے بارے میں ہمیں پوری..... تفصیلات نہ معلوم کرنا پڑے گا۔ اب میں جنرل روز کو فون کر کے انھیں اپنے نظریات سے آگاہ کرتا ہوں۔ اور آگے قدم بڑھانے کی اجازت طلب کرونگا۔

یہ کہہ کر نیر نے جنرل روز کو فون کیا اور اسے تفصیل کے ساتھ اپنے اخذ کیے ہوئے نتیجہ سے آگاہ کرتے ہوئے آگے کام کرنے کی اجازت مانگی۔ جنرل روز نے اسکو اجازت دیتے ہوئے جذباتی نہ ہونے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی مستقل رپورٹ

کرتے رہنے کی لیے بھی کہا۔

اسی شام کو نیر منان گولڈن اسکارپئن کلب کے ڈائننگ ہال میں بیٹھا ہوا ڈنر کھا رہا تھا۔ وہ میک اپ میں تھا اس لیے پہچان لیے جانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس سے تین میزیں چھوڑ کر غلام احمد برنی اپنے دوستوں کیساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دونوں اسے کلب کے کارڈ روم میں ملے تھے۔

نیر پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ تعاقب برنی کے گھر ہی سے شروع ہوا تھا۔

آج سب سے پہلے نیر نے نسیم صہبائی کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔

اپنے ایک ایسے جاننے والے کو پکڑ لیا تھا جو خود بھی ادیب تھا۔ اور نسیم صہبائی سے بھی واقف تھا۔ نیر کو اسی دوست سے نسیم صہبائی کے خیالات کا پتہ چلا۔ نسیم پر بستاری ادیب تھا۔ اور مزدوروں کی حمایت میں لکھتا رہتا تھا۔ اس نے اپنے ناولوں کے ذریعے مزدوروں کو متحد ہو کر مضبوط انجمنیں قائم کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اور انجمن کی مضبوطی کے لیے اقتصادی استحکام پر زور دیا تھا۔

یہ تفصیلات جان کر نیر کو اپنے نظریہ کی تائید ہوتی نظر آئی تھی۔ لیکن جب اس نے برنی کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو ایک بار پھر شش و پنج میں پڑ گیا۔ کیوں کہ برنی کے خیالات نسیم کے خیالات کے بالکل برعکس تھے۔ وہ سرمایہ دارانہ خیالات کا حامی نظر آتا تھا۔ کم از کم مزدوروں کے بارے میں اس کے خیالات سرمایہ دارانہ تھی۔ اسکا کہنا تھا کہ مزدوروں کے مسائل اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ انکو جو افرت ملتی ہے وہ ان کی ضرورت سے کہیں زیادہ ہے۔ اجرت کی زیادتی ہی انہیں سینما گھروں میں لے جاتی ہے۔ شراب کی سرپرستی پر اکساتی ہے۔

ان متضاد نظریے کے حامل ہونے کے باوجود دونوں کا وہائٹ گینگ کے لیے کام کرنا عجیب تھا۔ معلومات کا اور کوئی ذریعہ دیکھتے ہوئے نیر نے برنی کو اغواء کرنے کی ٹھان لی۔ اس نے غلام احمد برنی کی طرف دیکھا جو اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔

ایک بیرا تیزی سے چلتا ہوا برنی کے پاس پہنچا اور جھک کر برنی سے کچھ کہنے لگا۔ اس نے سر ہلایا اور کھڑا ہو گیا۔ اپنے دوستوں سے معذرت کے انداز میں کچھ کہا۔ اور ویٹر کے پیچھے چلتا ہوا ڈائننگ ہال سے نکل گیا۔

نیر نے جلدی سے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اے بیرا اس کی طرف بڑھا اس نے بیرا کو اپنا ممبر شپ کارڈ نکال کر دیا۔ بیرے نے کارڈ کا نمبر نوٹ کیا اور میز سے برتن سمیٹنے لگا۔ نیر تیزی سے ڈائننگ ہال سے باہر نکلا۔ سامنے شراب کے کاؤنٹر سے ملا ہوا پبلک ٹیلی فون بوتھ تھا۔ برنی بوتھ میں کان سے ریسیور لگائے کسی سے بات کر رہا تھا۔

نیر نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور مڑ کر ہال پر نظر ڈالی۔ ڈائننگ ہال کی نسبت یہاں کم لوگ تھے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ تھوڑی دیر بعد اس ہال میں کوئی میز بھی خالی نہیں رہے گی۔

نیر نے پھر برنی کی طرف دیکھا۔ برنی ایک ہاتھ سے ریسیور کان سے چپکائے ہوئے دوسرے ہاتھ سے ڈائری میں کوئی پیغام نوٹ کر رہا تھا۔ ڈائری بند کر کے اس نے جیب میں رکھی ایک دو بار اثبات میں سر ہلا کر اس نے فون میں کچھ کہا اور پھر ریسیور واپس ہک میں لٹکا دیا۔ ٹیلیفون سے باہر نکل کر اس نے پھر ڈائننگ ہال کا رخ کیا۔

نیر دروازہ سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اور متلاشی نظروں سے ہال کا جائزہ لینے لگا۔ اندازہ ایسا ہی تھا جیسے اسے کسی کی تلاش ہو۔ برنی اس کے پاس سے ہو کر

ڈائنگ ہال میں داخل ہونے لگا تو اس نے ہاتھ کیا اشارے سے اسے متوجہ کیا۔

معاف کیجئے کیا آپ مجھے برنی صاحب سے ملوا سکتے ہیں۔

کس سے؟ برنی نے رک کر نیر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

غلام احمد برنی سے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ یہیں کہیں ہوں گے۔

آپ ان سے کس سلسلے مین ملنا چاہتے ہیں۔ برنی نے مشکوک نظروں سے نیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

کمال ہے صاحب نے آپس سے ایک ایک صاحب کا پتہ پوچھا تو آپ نے سوالات کی لائن لگ ادی۔ آپ برنی صاحب کے باڈی گارڈ یا پرائیوٹ سیکرٹری قسم کی کوئی چیز تو نہیں ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں میں ان سے قرض مانگنے آیا ہوں۔ نیر نے جانتے بوجھت جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

اوہ۔ آپ تو ناراض ہو گئے۔ دراصل میں ہی غلام احمد برنی ہوں۔ میں چاہتا تھا کہ پہلے آپ سے ملاقات کی وجہ معلوم کر لوں۔ فرمائیے آپ مجھے کیوں تلاش کر رہے تھے۔

معاف کیجئے گا۔ مجھے بشیر کہتے ہیں اور میں ایک مقامہ فرم میں مینیجر ہوں۔ نیر نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔ آپ کی وائف کا۔۔۔ ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ اسپتال میں پڑی ہیں

کیا۔؟ برنی نے بے ساختہ پوچھا۔ کیسا حادثہ میری بیوی کا تو آج کہیں جانے کا پروگرام ہی نہیں تھا۔

اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اگر آپ ہی برنی ہیں جن کا مجھے پتہ بتایا گیا تھا۔ تو پھر یقین کیجئے آپ کی بیگم صاحب بازار میں شاپنگ کرتی ہوئی کار سے ٹکرا گئیں۔

یہ کہتے ہوئے نیر نے برنی کا پتہ دہرایا۔

آپکو پتہ کس نے دیا۔؟

خود مسز برنی۔انھوں نے ہی بتایا تھا کہ آپ یہاں ملیں گے۔

تو پھر وہ ٹھیک ہیں۔

جی ہاں۔میرا مطلب ہے کہ خدانخوستہ ان کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔لیکن ایک ٹانگ بری طرح زخمی ہوگئی ہے۔ٹانگ کا آپریشن ہوگا اس سلسلے میں آپ کی ضرورت ہے۔اسپتال والے آپ سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہے۔

اوہ برنی نے کہا۔پھر سوچتے ہوئے بولا۔ کس اسپتال تک جانا ہے۔

سول اسپتال۔قریب ہی تو ہے۔میرے پاس کار ہے آیئے۔

غلام احمد برنی اس کے ساتھ ہولیا۔نیر اسے باہر کھڑی ہوئی کار تک لایا۔

اس کے لئے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔جب برنی بیٹھے گیا تو اس نے دروازہ بند کیا اور گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔کار اسٹارٹ کر کے اس نے سے پوری اسپیڈ پر چھوڑ دیا۔

وہ تین موڑ مڑ کر کار ایک نسبتا سنسان سڑک پر نکل آئی۔

یہ تم کدھر لے آئے۔یہ سڑک سول ہسپتال تو نہیں جاتی۔

اوہ شاید غلط آ گئے۔ایک دم بریک لگا کر نیر نے کار روک دی۔جھٹکا لگنے سے برنی کا سر ڈیشن بورڈ سے ٹکرایا۔جب تک وہ سنبھل کر نیر سے کچھ کہتا نیر نے ریوالور نکال لیا۔زبان پر امنڈنے والی گالیاں برنی کے گلے میں پھنس کر گئیں۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ریوالور کے دستے کی ایک مخصوص ضرب برنی کے لیے کافی ثابت ہوئی۔اور وہ کچھ کہے بغیر سیٹ پر لڑھک گیا۔ نیر نے ایک نظر برنی پر ڈالی اطمینان کا سانس لیا لیا۔اور کار اسٹارٹ کر کے گھر کی راہ لی۔

☆(باب)

نیر ہاتھ میں پانی کا جگ لیے کرسی پر بندھے ہوئے برنی کو دیکھ رہا تھا۔ جو ابھی اتک بے ہوش تھا۔ نیر نے ہاتھوں میں پانی لے کر اسکے دو تین چھپکے برنی کے چہرے پر دیے۔ وہ بڑبڑاتا ہوا ہوش میں آ گیا۔ ہوش میں کیا آیا بس آنکھیں کھول کر کچھ بڑبڑاتا رہا۔ جیسے سوتے ہیں بڑبڑاتا رہا ہو۔ لیکن آنکھیں کھلتے ہی ذہن بھی جاگنے لگا ہوگا کیونکہ حواس درست ہونے میں ایک ڈیڑھ منٹ سے زائد نہیں لگا۔

نیر اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ حواس درست ہوتے ہی پہلے ان میں وحشیانہ چمک ابھری پھر نیر کو پہچان نے کی جھلکیاں نظر آئیں۔

کہیے، مسٹر برنی کا حال ہے۔ آج آپکے ساتھی آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔ اور آپ کے ہوتھوں میں ریوالور ہے نہ خاردار زہریلی پٹیاں۔

میں کہاں ہو۔ برنی نے چمکتی آنکھوں سے نیر کی طرف دیکھتے ہوئے غصہ سے کہا۔

تم اس فرش کے نیچے ہو جس پر میں تمہاری فرمائش پر ناچا اور گایا تھا۔ یہ تہہ خانہ ائیر کنڈیشنڈ ہے اور ساؤنڈ پروف ہے۔ تم جتنی زور سے چاہوگا ؤمیر سوا تمہیں داد دینے والا کوئی نہیں۔ ناچ چونکہ مجھے پسند نہیں اس لیے تمہیں کرسی سے چپکا دیا ہے۔

برنی خاموش رہا۔

"مجھے گانا بھی ایسا کچھ زیادہ پسند نہیں ہے۔ اس لیے اگر تم میرے سوالات کا جواب دیدو تو میں تو تمہیں گانے پر مجبور نہیں کرونگا۔

برنی پھر بھی خاموش رہا۔

نیر برنی کی طرف جھکا اور آہستہ سے بولا۔ میں زہر استعمال کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ میرے ہاتھ ہی کافی زہریلے ہیں۔ اور میں جاپانیوں کی طرح انسانی

جسم کی ایک ایک نس سے واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ کس نس پر ہاتھ مارنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔

غلام احمد برنی کے چہرے پر کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اس کے ہونٹ بند رہے۔

تم نے وہائٹ گینگ میں شمولیت کیوں اختیار کی۔ نیر نے سوال کیا۔ اس کے منہ سے الفاظ ادا ہی ہوئے ہی تھے کہ نیر کے چہرے اور آنکھوں میں تغیر محسوس ہوا۔ اچانک ہی اسکا چہرہ پتھر کی طرح بیجان اور ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آنے لگا۔ آنکھوں سے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ ابھی سوتے سوتے کچی نیند سے بیدار ہوا ہو۔

نیر اس کے چہرے کے ان بدلے ہوئے تاثرات کو کوئی معنی نہ ہنا سکا۔ آخر اس نے کہا۔

تم یوں نہیں مانو گے مجھے اپنا فرض چکانا ہی پڑے گا۔ یہ کہتے ہی نیر کے دائیں ہاتھ نے حرکت کی۔ اسکا ہاتھ مخصوص انداز میں برنی کی کنپٹی سے کچھ نیچے پڑا۔ اس چوٹ پر اچھے اچھے چیخ پڑتے تھے۔ لیکن غلام احمد برنی کے ہونٹوں سے سسکاری تک نہ نکلی نہ ہی اس کے چہرے کے آثار بدلے۔

نیر حیرت سے برنی کی طرف جھکا۔ اس نے اپنا ہاتھ برنی کی کھلی ہوئی آنکھوں کے سامنے لہرایا آنکھیں بند ہو گئیں۔ جو اس بات کا ثبوت تھا کہ برنی ہوش میں ہے۔

تم اس چوٹ کو بڑی آسانی سے برداشت کر گئے۔ نیر کے لہجے میں حیرت تھی۔

غلام احمد برنی آنکھیں اور پراٹھائین اور بولا۔ کیسی چوٹ؟

اوہ۔ کیا سو رہے تھے؟

نہیں ۔ لیکن مجھے کسی تکلیف کا احساس نہیں ہوا۔ اور نہ ہوگا۔ تم مجھے تم مجھے ناچنے گانے پر مجبور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ برنی نے بالکل سپاٹ اور بے

جان لہجہ میں کہا۔

نیر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے تیزی سے ہاتھوں کو حرکت دی۔ وہ بے تحاشہ برنی کے چہرے پر طمانچے لگا رہا تھا جب وہ رکا تو برنی کا چہرہ چوٹ کے اثر سے سرخ ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے ہونٹوں سے آواز تک نہ نکلی تھی۔ چہرہ بھی بیجان تھا۔ اگر چہرے کی سرخی کو نظر انداز کر دیا جائے تو گویا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

نیر ہنپتا ہوا غلام احمد برنی کو دیکھتا رہا جس کی سوگوار سی آنکھوں میں نیند کا خمار کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔

تم ہو کون۔

غلام احمد برنی۔ لہجہ سپاٹ تھا۔

نیر چونک پڑا۔ کیا یہ اب میرے سوالوں کا جواب دے گا۔ اس نے سوچا۔

کہاں رہتے ہو۔

E.3 ڈیفنس کالونی۔

کیا کرتے ہو۔

زہروں پر ریسرچ۔

کہاں؟

ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ کی لیبوریٹری میں۔

وہائٹ گینگ کیوں جوائن کیا؟

دل چاہ تھا۔

اوہ۔ نیر نے سوچا۔ یہ شخص مجھ سے کھیل رہا تھا۔ جھلا کر اس نے نپا تلا ہاتھ کنپٹی پر جڑ دیا۔ برنی بے ہوش ہو گیا۔

نیر مایوسی سے برنی کے بے ہوش جسم کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے تیزی سے برنی

کے جسم کی رسیوں کی گرفت سے آزاد کیا۔ اور اسے گود میں اٹھا کر کونے میں پڑے ہوئے پلنگ پر لٹا دیا۔

تہہ خانہ سے اوپر آ کر اس نے اپنے بستر پر پڑی ہوئی برنی کی چیزوں کو دیکھا جو اس کی جیب سے نکلی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر وہ نیلی ڈائری اٹھائی جس میں برنی نے ئیلی فون پر موصول ہونے والا پیغام نوٹ کیا تھا۔ ڈائری کھول کر اس نے آخری صفحہ نکالا۔ اور ایک مرتبہ پھر تحریر شدہ مختصر سی۔۔یادداشت کو پڑھا۔

اتوار۔۸ بجے شا۔رحمن لاج میں۔

اتوار کو آٹھ بجے شام رحمن لاج میں۔ اس نے زیر لب دہرایا اور کسی سوچ میں کھو گیا۔

☆جدید شوہر

احمد منیر نے کتاب بند کی کچھ سوچا اور سے میز کی طرف اچھال دیا۔

نسیم صہبائی کی لکھی ہوئی کتاب تھی۔ دلچسپ تھی اس لئے پوری ہی پڑھ ڈالی۔ احمد منیر کا خیال تھا کہ ادیب اپنی تخلیقات میں اپنے خیالات صحیح عکاسی کرتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے وہ زندگی گذار رہا ہو تو اس کی تخلیقات میں اس کی شخصیت ایک ہی رہتی ہے۔ اور ذرا سی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص ادیب کی اصلی اور باطنی شخصیت کا عکس اس کی تخلیقات میں تلاش کرتا ہے۔

احمد منیر کے سامنے صہبائی کے دو روپ تھے۔ ایک نیک چلن ادیب کی حیثیت سے اور دوسرا سفاک ڈاکو کی شکل میں۔ اسے فیصلہ کرنا تھا کہ نسیم صہبائی کا اصل روپ کیا تھا۔ وہ ایک انسانیت کا ہمدرد ادیب تھا یا سکا دشمن۔ ڈاکو۔ اس نے نسیم کی چند مشہور کتابیں حاصل کی تھیں۔ اور اب ان میں سے آخری کتاب ختم کر کے اس نے یہی محسوس کیا تھا کہ نسیم صہبائی باغیانہ خیالات رکھنے وال ادیب تھا جو مزدوروں کو معاشرہ میں صحیح مقام دلانا چاہتا تھا۔

باغیانہ خیالات اکثر انسان کو تشدد کی طرف مائل کرتے ہیں۔ لیکن احمد منیر کو یقین تھا کہ نسیم خیالات کی رو میں بہ کر تشدد پر اتر آنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے بغور مطالعہ کر کے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ نسیم صہبائی جتنا مزدوروں کا حامی تھا اتنا ہی تشدد کے خلاف تھا۔ مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے اس نے جو واضح اسکیم پیش کی تھی اس میں تشدد کا کوئی ذکر اور کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے تو صرف مزدوروں کے اتحاد پر زور دیا تھا۔ اور انھیں یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ سرمایہ دار کو ان کی کتنی سخت ضرورت ہے۔ اگر وہ متحد ہو جائیں تو اپنی خدمت کے عوض وہ مناسب اجرت بآسانی حاصل کر سکتے ہیں۔ بس شروع میں ذرا قربانی کی ضرورت تھی۔ ایک بار سرمایہ دار پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اب وہ من مانی شرائط پر مزدور حاصل

نہیں کرسکتا تو پھر وہ مزدوروں کی قدر کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ ان کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھے گا۔ ان کی فلاح کو اپنی فلاح جانے گا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہ مزدور کو اپنی طرح کا انسان سمجھے گا۔

نسیم صہبائی کے خیالات تشدد کے خلاف تھے لیکن اس کی زندگی کے آخری لمحے تشدد ہی میں گذرے تھے۔ احمد منیر نے بہت سوچا تھا بہت غور کیا کہ آخر اس تضاد کی وجہ کیا ہے۔ لیکن وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔ ویسے ایسا یقین سا تھا کہ مستقبل قریب میں نسیم صہبائی کے متضاد رویے کی وجہ سامنے آ ہی جائے گی۔ اس یقین کی وجہ نہیں تھی۔ بس ایک خیال تھا جو ذہن میں جم گیا تھا۔ شاید اس کے متجسس ذہن نے کسی نتیجے پر نہ پہونچ سکنے کے بعد تسکین کی یہ راہ نکالی تھی۔

احمد منیر نے اٹھ کر کپڑے بدلے اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ابھی سویرا ہی تھا۔ دفتر کے وقت میں ایک گھنٹے کی دیر تھی۔ اس نے سوچا کہ پہلے سجاد سے ملنا چاہیے۔ اس سے ملے ہوئے کئی روز ہو گئے تھے۔

سجاد احمد منیر کا بچپن کا دوست تھا۔ بچپن کی بے تکلفی ابھی تک برقرار تھی۔ پچھلی دو ایک ملاقاتوں میں اس نے سجاد کو شاعری اور مصنفی کے خبط میں مبتلا پایا تھا۔ سجاد جو ہمیشہ شاعروں اور ادیبوں کو برا کہتا تھا۔ خود ادیب اور شاعر بن رہا تھا۔ اس پر احمد منیر نے اسکا خوب مزاق اڑایا تھا۔ سجاد کی بیوی نے بھی دبے دبے انداز میں اس کی تائید کی تھی۔

سجاد کے گھر پہونچ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ گھر سے غائب ہے۔ سجاد کی بیوی اسے ڈائنگ روم میں ملی وہ ناشتہ کی میز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ناشتہ آگے چنا ہوا تھا لیکن وہ ناشتہ نہیں کر رہی تھی بلکہ کسی سوچ میں گم بیٹھیں۔

بھابھی کیا بات ہے۔؟ اس نے سجاد کی بیوی شمی کو حیرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ آپ نے کیا حالت بنا رکھی ہے۔

شمی کی حالت بہت خستہ تھی۔ اس کی آنکھیں خمار آلود تھیں۔ اور ان کے گرد سیاہ حلقے سے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں تو احمد منیر کو ان میں آنسو جھلملاتے نظر آئے۔ وہ چہرے سے بولی۔

بیٹھو۔ ناشتہ کرو۔

احمد منیر خاموشی سے میز کی دوسری طرف اس کے سامنے بیٹھ گیا لیکن اس نے کسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔

سجاد کہاں ہے۔ اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

کل شام سے کہیں گئے ہوئے ہیں۔

کل شام سے؟ احمد منیر کے لہجے میں حیرت تھی۔

ہاں کچھ ایسا ہی معمول بنالیا ہے۔ شام کو چلے جاتے ہیں اور صبح کو واپس آتے ہیں۔۔۔۔۔ بس اب آتے ہی ہوں گے۔

یہ کب سے؟

چار پانچ روز سے جب تم سے آخری بار ملے تھے۔

جس دن ہم سینما دیکھنے گئے تھے۔

ہاں۔ اسی روز آدھی رات کو اٹھ بیٹھے پہلے کچھ بڑبڑاتے تھے مجھ سے کہا ساری دنیا سرخ ہو رہی ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ میں سمجھی شاید میں نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ اس کا ذہن پراثر ہے۔ لیکن وہ تو اٹھکر کپڑے بدلنے لگے۔ میں نے پوچھا کہاں جا رہے تو کچھ جواب نہیں دیا۔ کپڑے بدل کر چلنے لگے تو میں نے ہاتھ پکڑ کر روکنا چاہا۔ مجھے بڑی زور سے دھکا دیا۔ میں صدمے سے سنبھل بھی نہیں پائی تھی کہ وہ کمرے سے نکل گئے۔ جب میں سنبھل کر اٹھی اور باہر نکلی تو وہ گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ میں نے گاڑی کے سامنے آ کر روکنا چاہا تو انھوں نے گاڑی میرے اوپر چڑھا دی۔ اور اگر میں بروقت ایک طرف نہ ہو جاتی تو کچل کر ختم ہو جاتی۔ احمد میری

سمجھ میں نہیں آتا انھیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا وہ پاگل ہو گئے ہیں؟

شمی نے اپنی بات ہچکیوں کے دوران پوری کی۔ احمد منیر منہ کھولے حیرت سے سنتا رہا۔ شمی کا لہجہ اور جملوں کی ادائیگی کا انداز اس کے بے پناہ غم اور فکر کا اظہار کر رہا تھا۔ منیر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ بڑی مشکل سے اس نے کہا۔ سجاد کو سوتے میں چلنے کی بیماری تو نہیں ہے۔

نہیں۔ وہ اس وقت پوری طرح ہوش میں تھے۔ سوتے میں چلنے والوں کی حالت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ شمی نے جواب دیا۔

ہاں۔ وہ کسی کے مخاطب کرنے پر جاگ اٹھتے ہیں۔ احمد منیر نے تسلیم کیا۔

''وہ کب واپس آیا تھا۔''

صبح ناشتے کے وقت ان کی بڑی بری حالت تھی۔ چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔ جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں سرخی تھی اور اٹھتے بیٹھنے کے انداز میں نقاہت ۔میں نے ان کیسامنے ناشتہ رکھا۔ انھوں نے چپ چاپ چائے پی۔ کچھ کھایا نہیں۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ کہاں گئے تھے تو گھور کر مجھے دیکھا۔ احمد ان کی آنکھوں میں پاگل پن جھلک رہا تھا۔ انھوں نے پاگلوں کے سے انداز میں مجھے جھڑک دیا تھا۔ میرے خدا! پاگل ہو گئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں

''پھر اسے ہوش کس وقت آیا۔ یا۔ اب بھی؟

''نہیں اب ویسی حالت تو نہیں ہے۔ اسی روز چند گھنٹوں بعد ہوش میں آ گئے تھے۔ میرا مطلب ہے ہوش مندوں کی سی باتیں کرنے لگے تھے۔ لیکن مجھ سے ان کا رویہ سخت ہی رہا تھا۔ بات بات پر مجھے جھڑک رہے تھے۔ میرے ساتھ ان کا رویہ اب بھی ایسا ہی ہے۔

کیا آفس جاتا ہے۔؟

نہیں۔ آفس نہیں جاتے۔دن بھر گھر میں پڑے رہتے ہیں۔اور شام کو کہیں چلے جاتے ہیں رات بھر غائب رہتے ہیں۔صبح کو ناشتہ کے وقت آجاتے ہیں۔بس اب آتے ہی ہوں گے۔

تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ کہاں جاتا ہے۔

بتایا تو۔جب بھی پوچھتی ہوں جھڑک دیتے ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مجھ سے نفرت کرنے لگے ہوں۔ ذرا ذرا سی بات پر کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔کل ہی میں نے ان کی پسندیدہ ڈش تیار کی اران کے سامنے لے گئی تو ایک دم غصہ میں آگئے اور کہنے لگے کہ میں جان بوجھ کر وہ چیزیں پکاتی ہوں جن سے انھیں نفرت ہے۔جب میں نے انھیں بتایا کہ یہ تو ان کی پسندیدہ ڈش ہے۔اور وہ بہت شوق سے کھاتے تھے تو چھری لے کر مجھ پر کھینچ ماری۔

''تم نے کسی ڈاکٹر کو بلایا ہوتا۔اس کے کسی عزیز کو اطلاع دی ہوتی۔

''ڈاکٹر کو تو میں نے بلایا تھا۔لیکن انھوں نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا۔وہ خود ماننا پسن نہیں کرتا تھا۔

بھابھی۔سجاد واقعی کسی ذہنی بیماری کا شکار معلوم ہوتا ہے۔تم فکر نہ کرو میں آج ہی کسی ماہر نفسیات سے مشورہ کرونگا۔شاید وہ کچھ رائے دے سکے۔

''بھائی کچھ کرو۔میرے اللہ اگر سجاد کو کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہوگا۔میں سجاد کے بغیر کیسے زندہ رہوں گی۔

شمی میز سے سر ٹکا کر رونے لگی۔احمد منیر پریشان پریشان اسے دیکھتا رہا۔پھر وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا اور اس کے سر کو تھپکتا ہوا بولا۔شمی۔بچی نہ بنو۔رونے سے کوئی فائدہ نہیں۔انسان بیمار پڑا ہی کرتا ہے۔بیماری کا علاج ہوتا ہے۔اور وہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔مجھے یقین ہے سجاد کی بیماری کا بھی علاج ہو جائے گا۔وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ذرا صبر سے کام لو۔

اسی وقت دروازہ کے باہر کسی کے قدموں کی آواز آئی۔ شمی سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اور اپنی آنکھوں سے آنسو پوچھنے لگی۔

دروازہ کھلا اور سجاد کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا ہو رہا ہے۔اس نے تیز آواز میں پوچھا۔

احمد منیر اور شمی دونوں ہی خاموش تھے۔منیر سجاد کو دیکھ رہا تھا۔ جس کی آنکھوں میں بے خوابی کی سرخی تھی اور چہرے پر تھکن کے آثار۔

''کیا ہو رہا ہے۔سجاد کی بھاری آواز پھر گونجی۔تم رو کیوں رہی ہو۔؟ میں کہتا ہوں تمہیں تکلیف کیا ہے؟ جب دیکھو آنکھوں میں آنسو۔دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟

احمد منیر حیران حیران نظروں سے سجاد کو دیکھ رہا تھا۔اس نے آج تک اتنے سخت لہجہ میں اسے شمی سے بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔وہ شمی کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ آخر اس نے سجاد سے کہا۔دماغ تو تمہارا خراب ہو گیا ہے۔تم رات بھر کہاں غائب رہتے ہو۔

اوہ تم۔سجاد احمد منیر کی طرف پلٹا۔تم کون ہون۔تم کون ہوتے ہو مجھ سے میرے وقت کا حساب لینے والے۔

احمد منیر کو سجاد کے اس انداز گفتگو اور بیگانگی سے جھٹکا سا لگا۔وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسکا عزیز ترین دوست اس سے یوں اجنبیوں کی طرح مخاطب ہو سکتا ہے۔ احمد منیر کو کیا معلوم تھا کہ ابھی اسے اور بھی جھٹکے لگنے ہیں۔اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔اس نے سجاد کی آنکھوں میں پاگلوں کی سی وحشیانہ چمک دیکھ لی تھی۔اس نے نرم لہجہ میں کہا۔مجھے بھول گئے۔

میں احمد منیر ہوں۔ تمہارا دوست۔تمہارا ساتھی۔

سجاد نے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا۔پھر بولا۔دوست۔؟ میرا ساتھی کوئی میرا دوست نہیں۔کوئی

میرا ساتھی نہیں ہے۔

تم پاگل ہو گئے ہو۔ احمد منیر نے بڑی کوشش سے خود پر قابو پاتے ہوئے۔۔ اپنے لہجہ کو حتی الامکان نرم رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اب بھی سجاد کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ سجاد کا دماغ چل گیا ہے۔

میں پاگل سہی۔ تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اور یہاں سے چلے جاؤ۔ تو فورا چلے جاؤ۔

احمد منیر نے شمی کی طرف دیکھا جو سہمی ہوئی کرسی پر بیٹھی تھی۔

اچھا۔ اچھا۔ میں چلا جاتا ہوں۔ احمد منیر نے کہا۔ پھر شمی کی طرف جھکتے ہوئے آہستہ سے کہنے لگا۔

بھابی تم گھبرانا مت۔ میں نے تھوڑی دیر قبل جو کچھ کہا تھا وہی کروں گا۔

اے۔ سجاد نے احمد منیر کو مخاطب کیا۔ تم اس کے کان میں کیا کہہ رہے ہو۔ وہ تمہاری کیا لگتی ہے۔؟

کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ احمد منیر نے جواب دیا۔

تو پھر اس سے کیا کہہ رہے تھے۔

خدا حافظ کہہ رہا تھا۔

چلو بس کہہ لیا۔ اب دفع ہو جاؤ۔

احمد منیر نے ایک نظر شمی پر ڈالی اور آہستہ آہستہ دروازہ کی طرف بڑھا۔

اب کبھی ادھر کا رخ مت کرنا سمجھے؟ سجاد نے دروازہ کھول کر احمد منیر کو راستہ دیتے ہوئے کہا۔

کیوں۔؟ احمد منیر نے دروازہ میں رک کر کہا۔

کیونکہ میں تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔ تمہاری شکل نفرت انگیز ہے۔

اچھی بات ہے۔ احمد منیر نے شمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو اسے جاتا دیکھ کر

کھڑی ہوگئی

تھی۔احمد منیر کے لیے اپنے اوپر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے جسم کا سارا خون سمٹ کر دماغ میں جمع ہو گیا۔کنپٹی کی رگیں پھٹنے لگی تھیں۔ چہرے میں آگ لگی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔دوران خون دماغ میں ٹھوکریں سی مارتا محسوس کر رہا تھا۔اس نے اگر اپنے اعصاب کو سدھایا ہوا نہ ہوتا تو ضبط کرنا مشکل تھا۔وہ مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔لیکن ابھی چند قدم چلا تھا کہ سجاد کی بھری ہوئی آواز سن کر پلٹا۔

تم کہاں چلیں؟ وہ کیا تمہارا یار ہے۔؟ سجاد نے بڑے بیہودہ لہجے میں کہا۔اس دوران شمی دروازہ تک آ چکی تھی اور منیر کو خدا حافظ کہنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھا ہی رہی تھی کہ سجاد نے اسکا ہاتھ پکڑ کر بڑی زور سے اسے دھکا دیا۔شمی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ دروازہ کے سامنے ہی بڑے زور سے فرش پر گری۔

برداشت کی حد ہو چکی تھی۔احمد منیر تیزی سے سجاد کیطرف بڑھا۔

تم پھر پلٹ آئے۔سجاد نے اسے للکارا۔

کوئی جواب دینے کے بجائے احمد منیر کانپتا ہاتھ سجاد کے منہ پر پڑا۔وہ لڑکھڑاتا ہوا ڈائنگ ٹیبل پر جا پڑا۔

تم یوں نہیں مونو گے۔سجاد نے اسے آگ برساتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔پھر پلٹ کر میز پر سے توس کاٹنے کی چھری اٹھالی۔

شمی کھڑی ہوگئی تھی۔اس نے سجاد کو چھری اٹھاتے دیکھ لیا تھا۔وہ چیخ پڑی اور دوڑ کر سجاد کا چھری والا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔نہیں۔نہیں پاگل مت بنو۔ہوش میں آؤ۔

الگ ہٹو۔سجاد چیخا اور اس نے بڑے زور سے شمی کو دھکیلا وہ ایک بار پھر فرش پر جا رہی۔

احمد منیر خاموشی سے کھڑا سجاد کو دیکھتا رہا۔ وہ اسے پاگل پن کی تھوڑی سی سزا دینا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں سجاد کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جو بیحد خوفناک ہو گیا تھا۔ اس کی سرخ آنکھوں سے دیوانگی جھلک رہی تھی۔ ہونٹ چڑے ہوئے تھے۔ سفید دانت چڑے ہوئے ہونٹوں سے

جھانک رہے تھے۔ باچھوں پر جھاگ جمع ہو گیا تھا۔ دونوں ہاتھوں کو سامنے کی طرف پھیلائے ہوئے وہ آہستہ آہستہ احمد منیر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چھری اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

احمد۔ احمد۔ خدا کے لیے چلے جاؤ۔ شمی فرش پر بڑے پڑے چیخی۔ لیکن احمد منیر اپنے آپ کو سجاد کے حملے سے بچانے کے لیے تیار کر رہا تھا۔

اسی وقت برابر کے کمرے سے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

سجاد ایک دم چونک پڑا۔ اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ جھک گئے۔ وہ کھڑا ہوا گھنٹی کی آواز سنتا رہا۔ اس کے کھنچے ہوئے ہونٹ درست ہو گئے۔ آنکھوں سے دیوانگی کی جھلک معدوم ہو گئی۔ پھر چھری پھینک کر وہ تیزی سے دروازہ کی طرف بڑھا اس میں سے گزر کر غائب ہو گیا۔

احمد منیر کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے پھر وہ شمی کی طرف متوجہ ہوا جو فرش پر پڑی ہوئی سسکیاں بھر رہی تھی۔

اس نے سہارا دیکر شمی کو اٹھایا اور ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ پھر شمی کے سر کو تھپکتا ہوا کہنے لگا۔ شمی وہ بیمار ہے تم کچھ خیال نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ایک اچھے ڈاکٹر کو جانتا ہوں جو ماہر نفسیات بھی ہے اور اسی قسم کے مریضوں کا علاج کرتا ہے وہ یقیناً سجاد کو ٹھیکم کر دے گا۔

شمی میز پر سر ٹکائے سسکیاں بھرتی رہی۔ اور منیر اسے دلاسے دیتا رہا۔

دروازہ کھلا اور سجاد دبے قدموں کمرے میں داخل ہوا۔

منیر۔اس نے ہلکے سے کہا۔احمد منیر چونک کر مڑا۔شمی نے بھی گھبرا کر سر اٹھایا۔ احمد منیر سجاد کے سامنے کھڑا تھا اور اس کے اگلے قدم سے بچاؤ کے لیے تیار تھا۔ سجاد خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔پھر اچانک آگے بڑھ کر احمد منیر سے لپٹ گیا۔

منیر! میرے دوست۔میرے ساتھی۔وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ مجھے معاف کر دو۔میں پاگل ہوگیا۔تھا۔میرا دماغ خراب ہوگیا تھا۔میرے دوست مجھے معاف کر دو۔

منیر اس کو سنبھالے ہوئے تھا۔اور اس اچانک تبدیلی پر حیران و ششدر تھا۔

میرے دوست مجھے معاف کر دو۔سجاد بھرائی ہوئی آواز میں دہرائے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔اور لہجے میں بلا کی ندامت تھی۔

شمی منہ پھاڑے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔

میرے ساتھی مجھے معاف کر دو۔ایک بار پھر سجاد نے کہا۔اور احمد منیر کا دل بھی بھر آیا۔آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔جب وہ بولا تو اس کی آواز بھی بھرائی ہوئی تھی ۔معافی کیسی دوست تم نے کیا کیا ہے۔

مجھے معاف کر دو۔نہ جانے پاگل پن میں میں نے تمہیں کیا کیا کہہ دیا ہوگا۔نہ جانے مجھے کیا ہوگیا تھا۔

احمد منیر نے دو تین بار سجاد کو پیٹھ کو تھپ تھپایا اور پھر اسے اپنے سے جدا کر دیا۔

اس دوران شمی بھی کھڑی ہوگئی تھی اور اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔سجاد اس کی طرف مڑا اور احمد منیر کی موجودگی کا خیال کئے بغیر اسے اپنے سے لپٹا لیا۔شمی میری ۔وہ کہہ رہا تھا۔میں نے تجھے بہت تنگ کیا ہے۔بہت تکلیفیں دی ہیں۔تو بھی مجھے معاف کر دے۔

اور شمی غریب پریشان تھی۔اسکا چہرہ احمد منیر کی طرف تھا اور اسے بیحد شرم آ رہی تھی۔ساتھی ہی دل میں جذبات کا ایک طوفان امنڈ رہا تھ۔

احمد منیر نے شمی کی پریشانی کو محسوس کیا اور دبے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کتنا عجیب جوڑا ہے۔ اس کے ماتھے پر غور و فکر کی لکیریں بھی پڑی ہوئی تھیں

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

۔☆رحمٰن لاج میں

نیر منان رحمٰن لاج کے سامنے کھڑا تھا۔ ساڑھے سات بجے کا وقت تھا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ لیکن رحمٰن لاج کے بیرونی حصہ میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ البتہ کھڑکیوں سے بجلی کی روشنی چھن کر باہر آ رہی تھی۔ لیکن عمارت کے بیرونی گیٹ تک یہ روشنی نہیں پہنچ رہی تھی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا۔

نیر کافی دیر سے رحمٰن لاج کے گرد گھوم رہا تھا۔ اور اچھی طرح اس کا جائزہ لے چکا تھا۔ شہر کے مشہور تاجر سیٹھ رحمٰن کی یہ عمارت افضل نامی کسی شخص کو کرائے پر دی ہوئی تھی۔ جو کسی مقامی کسٹرکشن کمپنی میں اچھے عہدہ پر فائز تھا۔ یہ عمارت دوسری عمارتوں سے کچھ دور بنی ہوئی تھی۔ اس گرد سبزے کے لان اور پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ اور جگہ جگہ گلوب اور لیمپ لگے ہوئے تھے۔ لیکن اس وقت سارے گلوب اور لیمپ روشنی سے محروم تھے۔ عمارت کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد نیر اس کے سامنے جم گیا۔ وہ ایک غیر آباد عمارت سے ٹیک لگائے رحمٰن لاج کے گیٹ کی نگرانی کر رہا تھا۔ دونوں عمارتوں کے درمیان کی سڑک سونی پڑی ہوئی تھی۔ کبھی کبھار اکا دکا کار ادھر سے گذر جاتی تھی اسے موقعوں پر نیر چہل قدمی کے انداز میں ایک طرف کو چل پڑتا تھا۔ کار گذر جانے کے بعد وہ پھر اپنی جگہ واپس آ جاتا۔

پونے آٹھ بجے ایک آدمی نے رحمٰن لاج کا رخ کیا۔ نیر منان کو اندھیرے میں اسکا صرف سایہ نظر آیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اتنا ضرور لگا سکا کہ آنے والے کے چہرے پر نقاب نہیں ہے۔ لیکن اس وقت وہ چونک پڑا جب آنے والا عمارت کے پاس کھڑکی۔ چھنتی ہوئی روشنی کی زد میں آیا۔ کیونکہ اب اس کے چہرے پر نقاب تھا۔ اس شخص نے یقینی طور پر گیٹ میں داخل ہونے کے بعد عمارت تک پہونچنے

سے پہلے اپنے چہرے پر نقاب چڑھالیا تھا۔ اور دستانے تو اس نے منیر کے سامنے ہی کھڑکیوں کی روشنی میں پہنے تھے۔

دستانے پہن کر آنے والے نے عمارت کے دروازہ پر دستک دی۔ نیر نے گنا۔ تین مرتبہ دروازہ کو کھٹکھٹایا گیا تھا۔ فوراہی دروازہ کھلا۔ ایک دبلے پتلے اور لمبے قد کے آدمی نے آنے والے کو ریسیو کیا۔ آنے والا مخصوص انداز میں جھکا تھا۔ جیسے ریسیو کرنے والے کو تعظیم دی ہو۔ پھر وہ کھلے ہوئے دروازہ میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ہی ریسیو کرنے والا بھی دروازہ میں داخل ہوا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد تو جیسے آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ ایک کے بعد

ایک پندرہ آدمی آئے۔ سب نے گیٹ میں قدم رکھنے کے بعد ہی نقاب نکالے تھے۔ اور روشنی میں پہننے سے پہلے چہروں پر جما دیے تھے۔ ہر ایک نے دروازہ کو تین ہی مرتبہ کھٹکھٹایا تھا۔ ہر ایک کو اسی لمبے آدمی نے ریسیو کیا تھا۔ ہر آنے والے نے اسے تعظیم دی تھی۔ ایک مرتبہ ریسیو کرنے والا کچھ زیادہ آگے بڑھا تو نیر اس کے چہرے کی جھلک دیکھ سکا۔ اس کے چہرے پر نقاب تو نہ تھی لیکن سیاہ شیشوں کی غیر معمولی بڑی عینک نقاب ہی کا کام کر رہی تھی۔

آٹھ بجے نیر نے عمارت میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ نقاب اور دستانے نکالے جو سفید تھے اور وہائٹ گینگ والوں کی طرز پر بنائے گئے تھے۔ نیر اطمینان سے چلتا ہوا رحمٰن لاج کے گیٹ تک گیا۔ گیٹ میں قدم رکھتے ہی اس کے ہاتھوں نے کام شروع کر دیا۔ جب وہ عمارت کے دروازے تک پہنچا تو نقاب اس کے چہرے کو چھپا سکا تھا۔ اور دستانے ہاتھوں پر چڑھائے جا رہے تھے۔ دستانے پہن کر نیر نے تین دفعہ دروازے پر دستک دی۔ چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھلا۔ اور وہی چشمہ والا اسے ریسیو کرنے کے لیے دروازہ سے باہر آیا۔

''سرخ آنکھ'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

نیر منان ایک لمحہ کے لیے جھجکا اس نے جواب میں سرخ آنکھ کہنے کی سوچی مگر کہا کچھ نہیں۔ وہ خاموشی سے تعظیماً جھک کر سیدھا ہو گیا۔ اور چشمے والے کو دیکھنے لگا۔

چشمے والے کے سپاٹ چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس نے ہلکے سے کہا۔ اندر چلے جاؤ۔ نیر منان دروازے میں داخل ہو گیا۔ چشمے والے نے دروازہ بند کیا اور تیزی سے چلتا ہوا نیر کے آگے ہو گیا۔ نیر خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا رہا۔

وہ ایک پتلے سے کوریڈور میں چل رہے تھے۔ کوریڈور کا خاتمہ ایک دروازہ پر ہوا۔ جسے کھول کر وہ ایک بڑے ہال میں داخل ہوئے۔ ہال میں قرینے سے کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جن پر اس سے پہلے آنے والے نقاب پوش بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کرسی دوسری کرسیوں سے ذرا ہٹ

کر ان کے مقابل پڑی ہوئی تھی۔ اور خالی تھی۔

چشمے والے کے اشارے پر نیر پیچھے پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

چشمے والا واپس چلا گیا اور نیر اپنے اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔

اس کے قریب صرف چند کرسیاں خالی رہ گئی تھی۔ باقی سب پر نقاب پوش بیٹھے ہوئے تھے۔ ماحول بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ یہ عجیب بات بھی نیر کی سمجھ میں آ گئی۔ ہال میں اس وقت نیر سمیت کل سولہ آدمی تھے۔ جو کرسیوں پر برابر برابر بیٹھے تھے۔ لیکن پھر بھی ہال میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی دوسرے سے بات نہیں کر رہا تھا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ سب ایک ہی انداز میں پتھر کے مجسموں کی طرح کھڑے ہوئے کرسی کے صرف کونے پر ٹکے بیٹھے تھے۔ کسی کی پشت بھی کرسی کی پشت گاہ سے ٹکی ہوئی نہیں تھی۔

اور اب نیر کو خیال آیا کہ جب وہ چشمے والے کے ساتھ ہال میں داخل ہوا تھا تو

کسی نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ ایک نا قابل یقین بات۔

دروازے کے دوسری طرف سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ بے ساختہ نیر نے مڑ کر دیکھنا چاہا۔ لیکن برسوں کی تربیت کام آئی اور وہ بروقت اپنی خواہش کو دبا گیا۔ البتہ اس نے اپنے بیٹھنے کی انداز کو بدل لیا اور دوسرے نقاب پوشوں کے انداز میں بیٹھنے کی کوشش کی۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ کوئی ہال میں داخل ہوا۔ اور چلتا ہوا اسکے پاس پہنچ گیا۔ آنے وال اسکی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ اور پھر ہال میں سناٹا چھا گیا۔

پانچ منٹ میں تین بار دروازہ اور کھلا۔ آخری مرتبہ پ کھلنے کے فورا بعد بند کر دیا گیا۔ دوسرے ہی لمحے ہال میں داخل ہونے والے سامنے آ گئے۔ چشمے والے کے سات ھ ایک اور نقاب پوش تھا۔ چشمے والے نے نقاب پوش کو سب کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

نقاب پوش کرسی پر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ بھی دوسرے نقاب پوشوں کی طرح نشست کے کنارے پر بیٹھا ہوا تا ھ۔ اور انھیں کی طرح بالکل سیدھا بیٹھ کر بے حس وحرکت ہو گیا تھا۔ جیسے پتھر کا مجسمہ۔ نیر کو اس انداز میں بیٹھے ہوئے ابھی صرف پانچ منٹ ہی ہوئے تھے لیکن اسکا جسم ابھی سے دور کرنے لگا تھا۔ اس طرح تھوڑی دیر کیلئے بے حس وحرکت رکھنا اور بالکل سیدھے بیٹھنا تکلیف دہ تھا۔ اس لیے نیر کو حیرت تھی کہ دوسرے نقاب پوش اس پوزیشن میں اتنی دیر کیسے بیٹھے ہوئے تھے۔

چشمے والے نے ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں سرخ آنکھ کہا۔ بت کی طرح بیٹھے ہوئے جسموں میں حرکت ہوئی۔ مشینی انداز میں وہ سب کھڑے ہوئے اور مخصوص انداز میں تعظیما جھکے۔ ان میں نیر منان بھی شامل تھا۔ وہ پوری توجہ کے ساتھ انکی نقل کر رہا تھا۔

بیٹھ جایئے۔چشمے والے نے کہا۔نقاب پوش فورا ہی بیٹھ گئے۔

چشمے والے نے ایک گہری نظر ان پر ڈالی پھر بولا۔سرخ آنکھ کی طرف سے خوشخبری سنئے یہ آپ کے نئے رہنما ہوں گے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے سب کیسامنے علیحدہ بیٹھے ہوئے نقاب پوش کی طرف اشارہ کیا۔پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''ان کا چناؤ سرخ آنکھ نے بڑے غوروفکر کے بعد کیا ہے۔آپ کو ان کی صلاحیت پر بھروسہ ہونا چاہیے۔سرخ آنکھ کو یقین ہے کہ ان کی سرکردگی میں کام کرنے پر آپکو کسی افسوسناک حادثے سے دوچار ہونا نہیں پڑے گا۔ایک لمحے کے لیے اس نے رک کر ہال کا جائزہ کیا اور پھر اپنی بات آگے بڑھائی۔سرخ آنکھ کے وفاداروں اپنے نئے راہنما کا خیر مقدم اپنے خون سے کرو۔ بہتا ہوا سرخ کون اپنے راہنما کے قدموں میں ڈال کر اسے اپنے اعتماد کا یقین دلاؤ۔میں تم میں سے ایک کو چنتا ہوں جو اپنے راہنما کے قدموں میں اپنا خون پیش کریگا۔بولو کیا تم تیار ہو۔

''ہم تیار ہیں۔''سب نقاب پوشوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔''

چشمے والے نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولا اسکا ہاتھ باہر آ کر پھیلا تو اس کی ہتھیلی پر ایک خوشنما ہلالی خنجر رکھا ہوا تھا۔پھل کا ہلال سے مشابہ موڑ ایک باریک نوک پر ختم ہوا تھا۔چشمے والا اپنے ہاتھ کو پھیلائے آہستہ آہستہ ان کے سامنے سے گذرنے لگا اس کے قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے لیکن آنکھیں تیزی سے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے نقاب پوشوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

ان میں سے ہر ایک کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے وہ چاہتا ہو کہ اس کو قربانی کے لیے چن لیا جائے۔

نیر دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوچ رہا تھا کہ دیکھو کون چنا جاتا ہے اور پھر کس

طرح وہ اپنی قربانی پیش کرتا ہے۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی اپنے ہاتھ سے اپنا گلا کاٹ لے گا۔ لیکن کمرے میں موجود نقاب پوشوں کا انداز اس کے یقین کو متزلزل کئے دے رہا تھا یکا یک نیر تو خیال آیا کہ کہیں یہ سب کسی ماہ ہپناٹزم کی قوت کا کرشمہ تو نہیں۔ ان کی حالت ایسی ہی تھی جیسی کسی معمول لگی ہوتی ہے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اول تو ہپناٹزم کے ماہر ترین آدمی کو بھی اپنے معمول پر اثر انداز ہونے کیلیے وقت چاہیے۔ جبکہ یہ اس کی نظروں کیسامنے ایک کے بعد ایک آئے تھے۔ چشمے والے کو اتنا وقت نہیں ملا تھا کہ وہ انکو ہپناٹائز کر سکتا۔ دوسرے خود اسکو ہپناٹائز کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہپناٹزم کے زیر اثر آدمی صرف انھیں احکامات کو مانتا ہے جو اسکے عقائد اور خیالات کے ایکدم خلاف نہ ہوں۔ ایسے احکامات جو کسی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ معمول کا ذہن قبول نہیں کرتا۔

چشمے والا آہستہ آہستہ نقاب پوشوں کے سامنے سے گذرتا رہا۔ ایک قطار ختم ہوئی۔ دوسری قطار ختم ہوئی اور آخر تیسری قطار کا نمبر آ گیا۔ یہ آخری قطار تھی۔ خود نیر بھی اسی میں شامل تھا۔ اسکا ذہن ہر قسم کے خیالات سے ہٹ کر ایک سوال پر آ جما تھا کہ کون چنا جائے گا۔؟

کون چنا جائے گا۔؟ نیر منان نے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے آپ سے سوال کیا۔ چشمے والے کے قدم اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے ہی نہ چن لیا جائے۔ ایسا ممکن تھا۔ اب وہ شدت سے اسی مسئلہ پر سوچ رہا تھا کہ اگر اسے چن لیا گیا تو۔۔ اگر اسے چن لیا گیا تو۔۔۔!

چشمے والے کے قدموں کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔

اگر اسے چن لیا گیا تو وہ کیا کریگا؟ نیر سوچ رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ جسم کے مسامات سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ اور ریڑھ کی ہڈی میں عجیب سے سر

سراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

چشمے والا اس کے سامنے پہنچا۔ رکا۔ اور آگے بڑھ گیا۔

نیر کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے ایک طوفان کے گذر جانے کے بارے میں سوچ کر اطمینان کی سانس لی تو اصل طوفان ٹوٹ پڑا۔

چشمے والا واپس لوٹا اور اسکے سامنے آ کھڑا ہوا۔

اے خوش نصیب! میں تجھے چنتا ہوں۔ لے اسے سنبھال اور اپنے راہبر کے قدموں میں اپنے سر کا نذراچہ پیش کر یہ چشمے والا کہہ رہا تھا اور نیر کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا ہو۔ سارے جسم میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔

"لے اے خوش نصیب۔ دیر نہ کر۔ چشمے والے نے کہا۔ نیر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب تمکنت آمیز ستہزائیہ چمک دیکھ رہا تھا۔

اس نے اپنے حواس درست کئے اور تیزی سے سوچا کہ کیا کرے چشمے والے کا ہاتھ اس کے سامنے تھا جس پر ہلالی خنجر رکھا ہوا تھا۔ نیر منان نے ہاتھ بڑھا کر خنجر اٹھا لیا۔ اور فوراً ہی چشمے والے پر اسی خنجر سے وار کیا۔ چشمے والا اس سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ وہ تیزی سے خنجر کی زد سے نکل گیا۔ اس سے پہلے کہ نیر اپنے حملے کی ناکامی سے سنبھل سکتا چشمے والے کے داہنے ہاتھ نے حرکت کی۔ گردن پر کھلے ہاتھ کی سائڈ چھلتی ہوئی پڑی کیونکہ اپنے حملے کی ناکامی کے بعد وہ اسی قسم کی جوابی کاروائی کا متوقع تھا اس لیے سنبھلتے جھک گیا تھا۔ جھکے جھکے اس نے اپنے داہنے ہاتھ کا گھونسا پوری قوت سے نقاب پوش کے پیٹ میں مارا نقاب پوش دوہرا گیا فوراً ہی دوسرے ہاتھ کے گھونسے نے نقاب پوش کی ٹھوڑی کی خبر لی۔ چشمے والے کے منہ سے خون بہنے لگا۔ منہ پر پڑنے والے نیر کے تیسرے گھونسے نے چشمے والے کو کئی قدم پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ تابڑتوڑ گھونسوں سے گھبرا کر وہ چلایا۔

یہ سرخ آنکھ کا دشمن ہے۔ اسے پکڑ لو۔ اس سے پہلے کہ نیر منان بھاگنے کی کوشش

کرتا نقاب پوش اس پر ٹوٹ پڑے اور وہ فرش پر گیا۔ فرش پر گرتے ہی اس کا ہاتھ خنجر پر پڑا جو جھکتے وقت ہاتھ کرسی کی پشت سے ٹکرا جانے کی وجہ سے نیچے گر گیا تھا۔ نیر نے فوراہی وہ خنجر اٹھا کر پلٹا کھایا۔ اور اپنے اوپر پڑے ہوئے نقاب پوشوں کیطرف ہاتھ چلایا۔ دو نقاب پوش الٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ بقیہ کو نیر نے زور سے دھکا دیا اور اپنے قدموں پر کھڑا ہو کر تیزی سے دروازہ کی طرف لپکا۔

لیکن دروازے تک پہونچنے سے پہلے ہی اسے ایک نقاب پوش نے روک لیا۔ یہ وہی تھا جسے چشمے والے نئے راہبر کا خطاب دیا تھا نیر نے خنجر سنبھال کر نقاب پوش پر حملہ کیا۔ لیکن نقاب پوش نے بڑی چابکدستی سے اس کے خنجر والے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر روکا اور دوسرے ہاتھ کا گھونسا نیر کی طرف چلایا۔ نیر نے اس کے ہاتھ کو اپنے الٹے ہاتھ سے پکڑ کر ایک بار پھر حملہ کے لیے اپنا خنجر والا ہاتھ اٹھایا لیکن کسی نے پیچھے سے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ بجلی کی طرح تڑپ کر نیر نے پیچھے والے سے اپنا خنجر والا ہاتھ چھڑایا اور اندازہ سے الٹے ہاتھ کا گھونسا اس کے پیٹ پر مارا اس دوران سامنے والے نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ اس کے خنجر والے ہاتھ پر مارا اور دوسرے ہاتھ کا گھونسا گردن پر مارا جس سے نیر کی نیچے گر پڑا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ نقاب پوشوں نے اسے چاروں طرف سے جکڑ لیا۔

یہ سرخ آنکھ کا دشمن ہے۔ چشمے والا پھر چلایا اس کو اپنے نئے راہنما کے قدموں میں قربان کر دو۔

وہ نقاب پوش جس کو نئے راہنما کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا تھا۔ اب تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ نیر کو بے بس کر کے اس کے قدموں میں لٹانے کی کوشش کی جانے لگی۔ اسی دوران میں ایک نقاب پوش نیر کے ہاتھ سے نکل جانے والا خنجر اٹھا لایا تھا۔ نیر کو چار نقاب پوشوں نے پکڑ کر نئے راہنما کے قدموں میں لٹا دیا اور اچھی طرح جکڑ کر بیٹھ گئے۔ خنجر والا نقاب پوش نیر کی طرف بڑھا۔ خنجر کو وحشیانہ انداز

میں ہلاتے ہوئے اس نے نیر کی طرف دیکھا۔ نقاب میں سے جھانکتی ہوئی اس کی آنکھوں میں نیر کو اپنی موت ناچتی ہوئی نظر آئی۔ نقاب پوش نے اپنا خنجر والا ہاتھ وار کرنے کے لیے اٹھایا جس سے خنجر کا پھل روشنی میں چمکا اور ساتھ ہی نیر کے ذہن میں بھی جیسے روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ بجلی کے کوندنے کی سی تیزی سے ایک خیال اس کے ذہن میں۔ ابھرا اور نیر نے فوراہی سرخ آنکھ، سرخ آنکھ کا نعرہ لگایا۔ اس کی آواز میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ حرکت کرتا ہوا نقاب پوش کا ہاتھ فوراً رک گیا۔ جو نقاب پوش نیر کو پکڑے بیٹھے تھے۔ وہ بھی اسے چھوڑ کر سیدھے کھڑے ہو گئے اور پھر سب نے تعظیماً جھک کر کسی نادیدہ ہستی سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔ نئے راہبر نے بھی اس عمل کو دوہرایا تھا۔ صرف چشمے والا ہی ایسا شخص تھا جس پر ان الفاظ نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ لیکن ایک لمحے کے لئے بدلتی ہوئی صورت حال سے وہ بھی بوکھلا گیا۔ پھر فوراہی اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہوئے نیر پر چھلانگ لگائی۔ نیر ایک بار پھر فرش پر گر پڑا لیکن ساتھ ہی اس نے چشمے والے کے سینے پر اپنے دونوں پیروں سے ٹھوکر لگائی تھی۔ چشمے والا کراہتا ہوا ایک طرف جا پڑا۔ نیز تیزی سے فرش سے اٹھا اور اس سے پہلے کہ کوئی رکاوٹ حائل ہو وہ دروازہ تک پہونچ گیا۔

سرخ آنکھ کے نام پر۔ پکڑو اس غدار کو! چشمے والا تیزی سے چیخا۔ اس کی آواز میں کرب تھا جو سینے پر پڑنے والی ضرب کا نتیجہ تھا۔

نیر نے دروازہ کھولا اور ہال سے باہر نکل گیا۔ گیٹ تک پہنچنے میں اسے چند سیکنڈ لگے۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے اس نے پلٹ کر دیکھا ہال کے دروازے سے کئی نقاب پوش باہر نکلتے ہوئے آئے تھے اور اسکو پکڑنے کے لیے دوڑے آرہے تھے۔

گیٹ سے باہر نکل کر نیر نے سنسان سڑک پر تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔

اسے اپنے پیچھے دوڑنے والوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھی ۔لیکن اب اسے کوئی فکر نہیں تھی ۔دو رایک کار کی ہیڈ لائٹس نظر آ رہی تھیں جو اس کی سلامتی کی ضمانت تھیں۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

☆شریف اور معزز شہری

نیر منان ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے جنرل روز کو رحمٰن لاج میں پیش آنے والے واقعات کی رپورٹ دے رہا تھا۔ ایک گھنٹے پہلے گزرنے والے کٹھن لمحات کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد اس نے کہا۔

سر میرا خیال ہے کہ وہائٹ گینگ کی رکنیت اختیار کرنے والے جرائم پیشہ نہیں ہیں بلکہ سرخ آنکھ کسی نہ کسی طرح ان کے ذہن پر قبضہ جمائے ہوئے رہے۔ اسی قوت کے زیر اثر آ کر وہ وہائٹ گینگ میں شامل ہوتے ہیں۔ اور اسی کا نام پر دیے گئے ہر حکم کو بلا چون و چرا مانتے ہیں۔

اور وہ قوت کونسی ہو سکتی ہے۔ جسے استعمال کر کے سرخ آنکھ دوسروں کے ذہن پر قبضہ جما سکے۔؟ جنرل روز نے سوال کیا۔

''کوئی بھانک قوت۔''

''تو تمہارا خیال ہے کہ سرخ آنکھ لوگوں کو ہپناٹائز کر کے ان سے من مانے کام لیتی ہے۔

سر! اسکے علاوہ کیا سوچا جا سکتا ہے۔

ٹھیک ہے جو کچھ تم نے آج دیکھا ان کا ایک حل ہپناٹزم کی صورت میں نظر آتا ہے۔ لیکن یہی واقعات کسی ایسی قوت کی تردید بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ ہپناٹزم کا عمل صرف ان لوگوں پر ہو سکتا ہے۔ جو ذہنی طور پر کمزور ہوں یا اپنی خوشی سے خود کو معمول بننے کے لیے پیش کر دیں۔ اس کے باوجود بھی دونوں صورت میں عام معمول سے وہی کام لے سکتا ہے جو معمول کے مفاد کے خلاف نہ ہوں۔ مثلاً اگر معمول ایک شریف آدمی ہے تو عام اسے سے چوری نہیں کرا سکتا۔ ڈاکے نہیں ڈلوا سکتا۔ قتل نہیں کرا سکتا۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ سرخ آنکھ کے ماننے والے یہ تمام کام کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ قوت ہپناٹزم سے مماثل ہوتے

ہوئے بھی اس سے مختلف ہے۔ بہتر ہے کہ اس سلسلے میں کسی ماہر نفسیات سے رجوع کرو تم نے غلام احمد برنی کو پکڑ رکھا ہے اسے کسی ماہر نفسیات کو دکھاؤ۔

''اس سلسلے میں ڈاکٹر ناصر ناظری کیسا رہے گا۔'' نیر نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے تم نے صحیح آدمی کا انتخاب کیا ہے۔ وہ ڈاکٹر بھی ہے۔ ماہر نفسیات بھی۔ سب سے بڑی بات ہے کہ وہ ہپناٹزم کا اچھا عامل بھی ہے۔ تم اس سے ابھی مل لو۔ اور پھر مجھے رپورٹ دو۔

''میں سیدھا اسی کے پاس جا رہا ہوں وہ غالباً گھر ہی پر ہوگا۔ یہ کہہ کر نیر نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

☆پر اسرار تہہ خانہ

نیر منان نے اپنے مکان کے تہہ خانے میں غلام احمد برنی کے سامنے کھڑا تھا۔اس کے چہرے پر براؤن نقاب ہاتھوں میں براؤن دستانے تھے۔برنی کرسی سے بندھا ہوا تھا اور بظاہر ہوش میں معلوم ہوتا تھا۔

ڈاکٹر ناصر ناظری نیر کے برابر کھڑا ہوا۔غلام احمد برنی کو گھور رہا تھا۔جس انداز میں اسے تہہ خانہ لایا گیا تھا۔شروع سے آخر تک بڑا پراسرار تھا۔لیکن جس رقم کا اسے لالچ دیا گیا تھا وہ اس کی تمام الجھنوں کے معاوضہ سے زیادہ تھی اس لیے اس نے فوراہی اپنا کام شروع کر دیا۔

نیر نے اسے پہلے مریض کی حالت اور ماحول کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ساتھ ہی یہ شرط بھی رکھی تھی کہ ڈاکٹر کو اس کے ساتھ چلنے کے لئے اپنی آنکھوں پر پٹی بندھوانی پڑے گی۔ڈاکٹر ناصر ناظری جو نیر کو انقاب پوش دیکھ کر پہلے ہی مشکوک ہو گیا تھا۔یہ شرط سنکر بالکل ہی ہتھے سے اکھڑ گیا۔لیکن پھر نیر کے لہجے اور بات چیت کے انداز نے اسے کچھ نرم کر دیا رہی سہی کسر رقم نے پوری کر دی اور وہ نیر کے ساتھ آنے پر آمادہ ہو گیا۔

یہ اس وقت پوری طرح ہوش میں ہے۔نیر نے سرگوشی کی۔اس کی آنکھوں میں ذہانت اور زندگی کی چمک ہے۔ساتھ ہی میرے لیے نفرت کی جھلک بھی نظر آتی ہے لیکن ابھی جب میں اس سے کچھ سوالات پوچھونگا تو اس کی آنکھوں کو دیکھنا۔

ناصر ناظری نے سر ہلایا۔اور بغور برنی کا جائزہ لیتا رہا۔یکبارگی اس کے ہاتھ نے حرکت کی۔کھلی ہوئی ہتھیلی کی سائڈ بڑی زور سے برنی کے گھٹنے کے جوڑ پر پڑی۔برنی کا پاؤں تیزی سے اٹھا اور گر گیا۔

Reflexess نارمل معلوم ہوتے ہیں۔اس نے نیر منان سے کہا۔غلام احمد

برنی دونوں کو خاموش ہو کر گھورتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت کے لہریئے اور بڑھ گئے تھے۔

''تمہارا نام کیا ہے۔ نیر نے سوال کیا۔

برنی نے نیر کی طرف دیکھ کر برا سا منہ بنایا لیکن خاموش رہا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔ نیر نے دوبارہ پوچھا۔

تم اچھی طرح جانتے ہو۔

تمہارا نام غلام احمد برنی ہے۔

ہاں۔ میں ڈیفنس کالونی میں رہتا ہوں اور زہروں پر ریسرچ کرتا ہوں۔ برنی کی آواز میں زہر تھا۔

وہائٹ گینگ میں شمولیت کیوں اختیار کی۔؟

برنی خاموش رہا۔ اس کے ماتھے پر چند بل پڑ گئے پھر اس نے سر جھکا لیا۔

''وہائٹ گینگ میں شمولیت کیوں اختیار کی۔ نیر نے دوبارہ سوال کیا۔ برنی سے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ آنکھوں کی چمک معدوم ہو گئی تھی۔ اور ان میں نیند کا خمار جھلکنے لگا تھا۔

دل چاہ تھا۔ برنی نے جواب دیا۔ اس کی آواز بھی بدل گئی تھی۔

ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ سوتے میں بول رہا ہو۔

ڈاکٹر اب دیکھئے آپ۔ نیر نے ناصر ناظری سے کہا۔

ڈاکٹر اس کے کہنے سے پہلے ہی برنی کی طرف جھک چکا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنے کھلے ہاتھ کی ضرب غلام احمد برنی کے گھٹنے کے جوڑ پر دی۔ اس مرتبہ برنی کے پاؤں نے حرکت نہیں کی۔

نیر نے اپنی جیب سے ایک پن نکال کر ڈاکٹر کو دی۔ اس سے کوشش کیجئے۔ اس نے ڈاکٹر سے کہا۔

ڈاکٹر نے ایک نظر پن پر ڈالی غلام احمد کی آنکھوں میں جھانکا اور پن کو بڑے زور سے اس کی کلائی میں اتار دیا۔ کڑیل سے کڑیل جوان بھی عام حالات میں تکلیف سے چیخ اٹھتا۔ لیکن برنی کے ہونٹوں سے سسکی تک نہ نکلی۔ اور نہ آنکھوں میں تکلیف کے آثار ابھرے۔ ڈاکٹر نے پن پر نظر ڈالی جس کو نوک خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ اس نے مڑ کر نیر کی طرف دیکھا۔ اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔ میریض ہپناٹزم کے زیر اثر معلوم ہوتا ہے۔

لیکن ڈاکٹر۔ ابھی چند منٹ پہلے یہ پوری طرح ہوش میں تھا اسے کس نے ہپناٹائز کر دیا۔

''ہپناٹزم بڑا پراسرار عمل ہے۔ ڈاکٹر ناصر باظری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پہلی مرتبہ جب کسی پر یہ عمل کیا جاتا ہے تو عامل کو معمول کے ذہن پر قبضہ جمانے میں کچھ وقت پیش آتی ہے۔ لیکن جوں جوں معمول پر اس عمل کو دوہرایا جاتا ہے اس کی قوت مدافعت کمزور پڑتی جاتی ہے۔ نوبت یہاں تک آ جاتی ہے کہ عامل صرف ایک چٹکی بجا کر اس کے ذہن پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

ایک اور پراسرار بت۔ پوسٹ سیجشن ہے۔ عامل معمول کو ایک مخصوص وقت پر مخصوص کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور پھر اسے نیند جگا دیتا ہے۔ معمول جاگنے کے بعد اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے لیکن جب وہ وقت آتا ہے تو وہ سارے کام چھوڑ کر وہ کام کرتا ہے جسکا اسے حکم دیا گیا تھا۔ ایک اور مزے کی بات یہ کہ عامل اپنے معمول کو جو عرصے سے اس کے زیر اثر رہے ہوں کچھ بتا کر حکم دیتا ہے۔ کہ جب بھی وہ الفاظ ان کیسامنے دہرائے جائیں وہ سو جائیں۔ چنانچہ جب بھی ان کے سامنے وہ الفاظ دوہرائے جاتے ہیں وہ سو جاتے ہیں چاہے الفاظ کہنے والا عامل کے علاوہ کوئی اور کیوں نہ ہو۔

''تو آپکا خیال ہے کہ یہ بھی ایسا ہی کیس ہے؟ نیر نے پوچھا۔

''کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ غالباً کسی نے پوسٹ ہپناٹزم سجیشن کے طور پر یہ حکم دیا ہو گا کہ وہائٹ گینگ کے بارے میں کوئی سوال ہو تو معمول ہپناٹزم کے زیر اثر آ جائے۔ اس صورت میں تھرڈ ڈگری کا عمل بھی بیکار ہو جاتا ہے کیونکہ معمول کا ذہن کسی بھی تکلیف کو محسوس نہیں کر سکتا۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ شخص آپ کے پاس کہاں سے آتا یہ شخص آپ کے پاس کہاں سے آیا اور آپکا وہائٹ گینگ سے کیا تعلق ہے۔ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے۔ وہائٹ گینگ کا معاملہ تو سراغرسانی انسپکٹر احمد منیر کے پاس ہے۔

''غالباً میں نے آپ کو پہلے ہی بتایا تھا کہ ان سوالوں کے جواب آپ کو نہیں مل سکتے''

''لیکن میں کسی غیر قانونی کام میں حصہ لینا نہیں چاہتا۔ میں آپ سے جدا ہوتے ہی اس ملاقات کا حال پولیس کو بتاؤں گا۔

''میں خود نہیں چاہتا کہ آپ کوئی غیر قانونی کام کریں۔ آپ پولیس کو تمام تفصیلات سے آگاہ کر سکتے ہیں۔''

''شکریہ! آپ میں ڈاکوؤں کی سی کوئی بات نہیں۔ مگر آپکا لباس اور انداز۔۔۔۔''

نیر آہستہ سے ہنسا اور بولا۔ ڈاکٹر آپ مریض کا معائنہ کر چکے کیا۔؟

''ہاں! یہ شخص کسی ماہر ہپناٹزم کا شکار ہے۔''

''ڈاکٹر! کیا ہپناٹزم کا کوئی معمول جرم کر سکتا ہے۔''

''یہ امر بحث طلب ہے۔ بعض حالات میں کر سکتا ہے۔ لیکن عام طور سے نہیں۔ اچھا ڈاکٹر اب آپ اس معمول کو دیکھیں۔ نیر نے آگے بڑھ کر غلام احمد برنی کی رسیاں کھول دیں۔ برنی جس حالت میں بیٹھا تھا بیٹھا رہا۔ نیر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چاقو نکالا بڑے سائز کی شکاری چاقو تھا۔ جس کا پھل تیز اور چمکدار تھا۔

''کیا کرنے کا ارادہ ہے۔ڈاکٹر ناصر نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''دیکھتے رہتے ڈاکٹر۔نیر نے برنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

چند لمحوں کے لیے کمرے میں گہری خاموشی چھائی رہی۔ڈاکٹر دلچسپی سے نیر کو دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں سے تشویش اور حیرت جھانک رہی تھی۔

''سرخ آنکھ!نیر نے یکا یک دھیمے لہجے میں غلام احمد برنی کو مخاطب کیا۔

''برنی کے جسم میں حرکت ہوئی وہ سیدھا کھڑا ہوگیا۔ایک مخصوص انداز میں جھکا اور پھر سیدھا ہوگیا۔

''سرخ آنکھ کو تمہارے خون کی ضرورت۔کیا تم اپنی کلائی سے تھوڑا سا خون دو گے۔نیر نے کہا۔

برنی نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

تو لو یہ چاقو۔اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی سے خون نکال دو۔

ڈاکٹر ناصر نے بڑی حیرت سے دیکھا۔غلام احمد برنی نے نیر کے ہاتھ سے شکاری چاقو لے لیا۔اس نے اپنی بائیں کلائی آگے پھیلائی اور دائیں ہاتھ کو اوپر اٹھایا۔

''نہیں۔نہیں!ڈاکٹر نے اچانک غلام احمد برنی کے چاقو والے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے کہا۔لیکن اگر اس کا خیال تھا کہ وہ برنی کو زخمی ہونے سے بچالے گا تو یہ اس کی خام خیالی تھی۔کیونکہ برنی نے داہنے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا۔ہاتھ ڈاکٹر کی گرفت سے نکل گیا۔اور پتلا دبلا ڈاکٹر ناصر جھٹکے کے زور سے فرش پر جا رہا۔اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر دوبارہ برنی کو روک سکتا برنی کے داہنے ہاتھ نے تیزی سے حرکت کی اور چاقو اس کی بائیں کلائی میں پیوست ہوگیا۔جب چاقو کلائی سے باہر نکالا تو خون میں سرخ ہو چکا تھا۔اور زخم سے خون ٹپک رہا تھا۔

''سرخ آنکھ تم سے خوش ہے۔نیر نے کہا۔اب چاقو مجھے دیدو اور ڈاکٹر سے پٹی

بندھوالو۔''

چاقو نیر کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ کر برنی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔اس نے زخمی کلائی ڈاکٹر کی طرف بڑھادی۔

ڈاکٹر اپنے آگے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر چونکا۔اس نے حیرت سے برنی کی طرف دیکھا۔جس کے ہونٹوں سے سسکی تک نہ ابھری تھی۔

''ڈاکٹر خون ضائع ہورہا ہے۔نیر نے کہا۔

اوہ۔ہاں!

ایک مرتبہ پھر کمرے میں خاموشی چھاگئی۔ڈاکٹر نے کونے میں رکھے ہوئے اپنے بیگ کو کھولا اور ضروری سامان نکال کر ڈریسنگ میں مشغول ہوگیا۔

''کیوں ڈاکٹر اب کیا خیال ہے۔؟

''حیرت انگیز۔یہ ہپناٹزم کا اثر ہرگز نہیں ہوسکتا۔

تو پھر کیا ہوسکتا ہے۔

''میں کیا کرسکتا ہوں۔یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی خبث روح کی طرح سرخ آنکھ نے مریض کے ذہن پر قبضہ جمالیا ہے۔یا پھر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نازی جرمن نے یہودیوں کے دماغوں کی طرح اس کے دماغ کو بھی صاف کر دیا ہو۔اور پھر اس میں اپنے مفاد کے مطابق معلومات اور احکامات بھر دیے ہوں۔لیکن اس صورت میں مریض اتنا ہٹا کٹا اور تندرست تو نہیں رہتا۔

ڈاکٹر۔خبث روحوں کا تو میں قائل نہیں لیکن دماغ صاف کرتے معلومات اور احکامات بھرے جانے والی بات کتنی ہی ناقابل یقین کیوں نہ ہو۔ممکن نظر آتی ہے۔اس بارے میں کیا آپ کچھ اور معلومات بہم پہنچاسکیں گے۔

اس قسم کے چند کیس دوسری جنگ عظیم کے دوران سامنے آئے تھے۔چند یہودیوں اور فوجی قیدیوں نے جنگی کیمپوں سے بھاگ کر امریکی اور برطانوی

فوجوں میں پناہ لی تھی۔ یہ لوگ بہت خستہ حالت میں ان تک پہنچے تھے۔ اور انھوں نے ان کی حالت زار پر ترس کھا کر ان فوجیوں اور یہودیوں کو پناہ دے دی تھی۔ لیکن پہلی ہی رات ان پناہ گزینوں نے اپنے محسنوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ انھوں نے فوج کے اعلیٰ افسروں پر حملہ کیا تھا چند حملے کامیاب بھی رہے تھے۔ اور امریکی و برطانوی فوج اپنے کئی اچھے افسران سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ محسن کچھ پناہ گزینوں کو پکڑ کر ان کا نفسیاتی معائنہ کرایا گیا تو پتہ چلا کہ وہ بے چارے اپنے ہوش میں نہیں تھے۔ نازیوں نے ان کے ذہنوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اور وہ اپنی خواہش کے خلاف ان کے احکامات ماننے پر مجبور تھے۔

لیکن ڈاکٹر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ذہنوں پر قبضہ جمالیا جائے۔

نازیوں نے ذہنوں پر قبضہ جمانے کے لیے پہلے اسے یہودیوں اور فوجیوں کو چنا جو اپنی شخصیتوں کی بنا پر دشمن فوج کے افسروں تک رسائی حاصل کر سکتے۔ ان چنیدہ افراد کو کیمپ میں الگ تھلگ رکھا گیا۔ سب سے پہلے ان کو فاقہ کشی پر مجبور کیا گیا۔ ان کو بھوکا پیاسا رکھا جاتا۔ اور جب وہ فاقہ کشی کی انتہا کو پہنچ جاتے تو انھیں دکھا دکھا کر نازی افسران مرغن غذائیں کھاتے اور خوش رنگ مشروب نوش کرتے۔ اس کے ساتھ ہی ان کو ذہن کمزور کرنے والی نشہ آور ادویات استعمال کرائی گئیں۔ ایک کے بعد ایک ذہنی اور جسمانی اذیت انو پہچائی گئی بجلی کے شاک۔ رنگوں کے جھماکے۔ غیر مونوس آوازیں۔ کبھی ان کو تاریک کوٹھری میں رکھا گیا۔ کبھی تیز روشنی کے نیچے جکڑ دیا گیا۔ جب بیچاروں کی حالت دیوانوں جیسی ہوگئی۔ اچھے برے کا ہوش جاتا رہا۔ زمین پر پڑی سڑی بسی اشیاء اٹھا کر کھانے لگے۔ شرم و حیا کی قید سے آزاد ہو گئے۔ عام جنسی افعال انجام دینے لگے حیوانوں سے بدتر ہو گئے تو انھیں آہستہ آہستہ ان کے خالی ذہنوں پر نازی پروپیگنڈے کی تہیں جمائی گئیں۔ انھیں پروپیگنڈا آمیز فلمیں دکھائی گئیں۔ عورتوں کے ذریعے نازی تحریک کی خوبیاں بتائی

گئیں اور اس تمام عرصے میں انکو نازی افسروں کی تعظیم اور ان کے حکم کی بے چون و چرا تعمیل کرنے کی تربیت دی گئی۔

اور اس طرح چند مہینوں میں اتحادیوں کے خلاف ایک نئی قوت تیار کر لی گئی۔ پھر مناسب موقع دیکھ کر اس قوت کو اتحادیوں کے خلاف استعمال کر لیا گیا۔ اتحادیوں کو ان مجہول الدماغ انسان نما حیوانوں سے بہت نقصان پہنچا۔

مگر ڈاکٹر آپ کے پاس جو کیس اس وقت موجود ہے وہ یقیناً نازیوں اور یہودیوں کے کیس سے مختلف ہے اس مریض کی ہسٹری مجھے معلوم ہے۔ یہ کبھی اپنے گھر سے چند گھنٹوں سے زیادہ غائب نہیں رہا۔ پھر اس کی صحت تم دیکھ رہے ہو۔ اسے یقیناً کسی اذیت ناک اور تکلیف دہ ماحول میں نہیں رہنا پڑا۔

اس کے علاوہ اس کا رویہ اور رکھ رکھاؤ کسی طرح بھی پاگلوں کا سا نظر نہیں آتا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ میرے خیال میں یہ کسی ایسی قوت کے زیر اثر ہے جو ہپناٹزم ہی کی طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ کس قسم کی قوت ہے۔ اور کس طرح عمل میں لائی گئی ہے۔؟ مجھے افسوس ہے کہ میں یہ نہ بتا سکونگا۔

میرے خیال سے آپ مکمل رپورٹ تیار کر دیں۔

ضرور۔ ضرور۔ ڈاکٹر ناصر ناظری نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اور اپنے بیگ میں سے کاغذ کے سیٹ نکال کر قلم سنبھالتا ہوا کمرے میں بچھے ہوئے اکلوتے پلنگ کی طرف بڑھ گیا۔

اگر اعتراض نہ ہو تو میں ایک ساتھ دو رپورٹیں تیار کر لوں۔ انسپکٹر احمد منیر یقیناً مجھ سے پوری تفصیل جاننا چاہے گا۔ ڈاکٹر نے نیر سے پوچھا۔

نیر نے ایک لمحہ غور کیا پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

جو حلیہ تم مجھے بتا رہے ہو وہ ایک ہی جماعت کے آدمی کا ہو سکتا ہے۔

احمد منیر نے سوچتے ہوئے ڈاکٹر ناصر ناظری سے کہا۔

کون سی جماعت؟

سیکرٹ فورس۔ جس کے بارے میں میری معلومات انتہائی محدود ہیں۔

ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ اس جماعت کے با اثر افراد ملٹری کے عہدوں کو استعمال کرتے ہیں جس شخص سے آج تمہاری ملاقات ہوئی تھی اگر وہ براؤن نقاب اور براؤن دستانوں میں ملبوس تھا تو اس کا نام کرنل براؤن رہا ہوگا۔ کرنل گرین۔ کرنل بلیک۔ کرنل وہائٹ، کرنل براؤن نہیں اور کتنے کرنل ہوں گے۔ شاید دھنک کے سارے رنگ اس جماعت کے با اثر افراد نے اپنے کوڈ نمبر میں استعمال کئے ہوں۔

لیکن اس شخص کا سلوک میرے ساتھ بہت شریفانہ تھا۔ لب ولہجہ سے وہ تعلیم یافتہ معلوم ہوتا تھا۔ اسے اس بات پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوا کہ میں آپ کو ساری باتیں بتادوں۔

یہی تو کمال ہے۔ ابھی تک میں اس جماعت کے جن لوگوں سے ملا ہوں وہ بھی انداز گفتگو بات چیت اور رویہ سے تعلیم یافتہ اور مہذب معلوم ہوتے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جماعت کا مقصد کیا ہے۔ ویسے اپنے کئی کیسز میں مجھے اس جماعت سے کافی مدد ملی ہے۔ ایک مرتبہ تو میری جان بچانے کا باعث بھی اسی جماعت کا ایک فرد بنا تھا۔ اس جماعت میں کچھ لوگ ماہرین سائنس اور میڈیسن بھی ہیں۔ احمد منیر نے ڈاکٹر کو تعریفی انداز میں بتایا۔

تب تو پولیس کو اس جماعت کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔

سیکرٹ فورس کتنی ہی پولیس کی خیر خواہ ہو۔ ایک غیر قانونی جماعت ہے اور پولیس کے لیے یہ غیر قانونی جماعت باعث زحمت ہے۔

بہر حال موجودہ کیس میں سیکرٹ فورس کو معلومات پولیس سے کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔

وہ تو تقریباً ہمیشہ ہی زیادہ رہتی ہیں۔ اسی لئے مجھے یقین ہے کہ اب وہائٹ گینگ کے دن گنے جا چکے ہیں۔ اس جماعت کے لوگ اس معاملہ میں شیطان سے کم نہیں۔ ایک بار جس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اس کو آخر تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔

یہ تمام گفتگو ڈاکٹر کے گھر پر ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر نے نیر کے پاس سے آ کر اسے فون کر کے بلایا تھا اور سیکرٹ فورس کے کرنل براؤن اور اس کے مریض کے بارے میں تفصیل سے ساری باتیں بتائی تھیں۔

احمد منیر کی نظر میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون پر پڑیں۔

ڈاکٹر! میں ذرا آپکا فون استعمال کرنا چاہتا ہوں

ضرور۔ضرور۔

احمد منیر نے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور میں کہا۔ہیلو۔نیر منان صاحب۔

یس۔نیر منان اسپیکنگ۔دوسری طرف سے جواب ملا۔

میں احمد منیر بول رہا ہوں۔کہیے آپ کی طبیعت کیسی ہے۔

اللہ کا شکر ہے اب تو ٹھیک ہوں۔

دراصل میں آپکا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔اور معذرت بھی کرنی تھی۔

کس بات کا شکریہ اور معذرت کیسی۔

آپ نے ڈاکے میں مرنے والے کے آخری الفاظ صحیح سنے تھے لیکن مجھے یقین نہیں آیا تھا۔

کون سے الفاظ؟ کیا سرخ آنکھ سے متعلق؟

جی ہاں۔ تو کیا وہ صحیح سمجھے تھے۔کیا آپ انکا مطلب سمجھ سکے۔معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کچھ نئی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

جی ہاں۔اور ان معلومات کی روشنی میں مجھے آپ سے اپنے غیر یقینی رویہ کی معافی مانگنی ہے۔

ارے نہیں بھئی۔ مجھے خود بھی شبہ تھا۔

بہر حال آپ نے مجھے جو کچھ بتایا وہ ٹھیک تھا۔ وہائٹ گینگ کے پیچھے کسی نہ کسی سرخ آنکھ کا ہاتھ ضرور ہے۔ میں آپ کے مکمل تعاون کا شکر گذار ہوں۔

بھئی وہ تو میرا فرض تھا۔ کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔

اگر آپ ہی کی طرح ہر شہری پولیس کی کاروائیوں میں ہاتھ بٹانے سے دلچسپی لے تو ہمارا کام کتنا آسان ہو جائے۔

لیکن آپ کیطرح دوسرے پولیس والے عوام کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کے قائل ہوں۔ جبھی تو۔

بات صحیح تھی۔ احمد منیر نے سوچا اور ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کر کے اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

☆ بینک میں

نیر منان کو یونیورسل بینک کی نگرانی کرتے ہوئے تیسرا دن تھا۔ ڈاکٹر انور کے سامنے ڈاکٹر ناصر ناظری کی رپورٹ کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد اس نے یونیورسل بینک اور دوسرے بینکوں کی نگرانی کی تجویز ڈاکٹر انور کے سامنے پیش کی تھی۔ جسے اس نے فوراہی منظور کرلیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا تھا کہ نیر منان احمد منیر کے سامنے عام شہری کی حیثیت سے یہی تجویز پیش کرے۔ جب نیر نے احمد منیر کے سامنے تجویز پیش کی تو اس نے فوراہی مان لی تھی۔ اس کا خود بھی یہی خیال تھا کا شاید وہائٹ گینگ دوبارہ سب سے پہلے یونیورسل بینک پر حملہ کرے۔

مختلف بینکوں کی نگرانی سیکرٹ فورس کے مختلف اہم کارکن کررہے تھے۔ طے یہ ہوا تھا کہ زیر..... نگرانی بینکوں میں سے کسی پر جیسے ہی حملہ ہوا اس بینک کی نگرانی کرنے والا ایک مخصوص سگنل ٹرانسمیٹر پر ہیڈ کوارٹر اطلاع کردے گا۔ جہاں فوراہی فون پر احمد منیر کو اطلاع دے دی جائے گی۔ تاکہ پولیس بھی وقت پر پہنچ کر وہائٹ گینگ کا قلع قمع کرسکے۔

پچھلے دو دن نیر نے بینک کے باہر رہ کر ہی اس کی نگرانی کی تھی۔ صرف دو تین بار بینگ کے اندر گیا تھا۔ بار بار بینک میں جانے سے خود اس کے مشتبہ ہوجانے کا خطرہ تھا آج وہ بینک کے اندر ہی موجود تھا اس سلسلے میں اسے نصیر نے مدد دی تھی۔ نصیر ڈائمنڈ ٹیکسٹائل ملز کا مینیجنگ ڈائریکٹر تھا۔ اس نے بینک سے متعلق مال کا کچھ کام نیر کے سپرد کردیا تھا۔

نیر اس کام کے سلسلے میں بینک کے مینیجر سے باتیں کررہا تھا کہ وہائٹ گینگ نے بینک پر دھاوا بولا۔

کمرے کا دروازہ..... اچانک کھول کر ایک گھبرایا ہوا بینک آفیسر مینیجر کے کمرے

میں داخل ہوا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور سانس چڑھی ہوئی تھی۔

وہائٹ گینگ نے بینک پر قبضہ کرلیا۔ اس نے بمشکل کیا۔ مینیجر کا چہرہ بگڑ گیا۔ اور وہ نیر کو نظر انداز کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

نیر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر چھوٹے سے ٹرانسمیٹر کا الارم سوئچ آن کر دیا اور مینیجر اور بینک کے آفیسر کے پیچھے ہولیا۔ فیصلہ کن لمحات آ پہنچے تھے۔

☆وھائیٹ گینگ کا یونیورسل بنک پر حملہ

آحمد منیر وہائٹ گینگ کا فائل دیکھ رہا تھا۔اس کی نظر میں فائل پر تھیں اور خیالات کی رو کہیں اور پہنچی ہوئی تھی۔وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہائٹ گینگ کب حملہ کرے گا اور کہاں۔ابھی وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

ہیلو۔احمد منیر اسپیکنگ۔ٹیلی فون کے ماؤتھ پیس میں اس نے کہا۔

''وہائٹ گینگ۔یونیورسل بینک پر حملہ کر چکا ہے۔فورا ایکشن لیں۔

آپ کون ہیں۔

سیکرٹ فورس۔اس کے ساتھ ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

''احمد منیر نے ریسیور اپنی جگہ پر رکھا ہی تھا کہ فون دوبارہ بول اٹھا۔

ہیلو احمد منیر!اس نے دوبارہ ریسیور سے کان لگا کر کہا۔

سر یونین بینک کا دروازہ اچانک بند کر لیا گیا ہے۔دروازے کے سامنے ایک بڑی وین کھڑی ہے۔جو بینک کا دوازہ بند ہونے سے چند منٹ قبل ہی وہاں آ کر رکی تھی۔ خفیہ پولیس کے اس آدمی نے جس کی ڈیوٹی احمد منیر نے۔۔بینگ پر لگائی تھی جلد جلدی کہا۔

کیا تمہیں کسی گڑبڑ ہونے کا یقین ہے۔

یس سر۔صورت حال مشکوک ہے۔سٹاپ بالک پچھلی مرتبہ کا ہے۔

اچھی بات ہے۔میں خود آ کر دیکھتا ہوں۔لیکن اگر میرے پہنچنے سے پہلے کچھ گڑبڑ ہو جائے تو دوبارہ اسے نمبر پر فون کر لینا۔میں فلائنگ اسکواڈ کو تیار رہنے کے لیے کہہ کر ہی آ رہا ہوں تا کہ وہ فورا ہی دوڑ پڑے۔

اچھی بات ہے سر۔

احمد منیر نے ریسیور رکھا اور دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ریسپشنسٹ کو پولیس

چالیسویں سیکنڈ پر اندر سے کسی نے بلند آواز دی۔ بینک پر وہائٹ گینگ کا قبضہ ہے۔ بینک میں داخل ہونے کی کوشش کی گئی تو بینک میں موجود سو سے زائد افراد کو گولی مار دی جائے گی۔

آواز سے اندازہ ہوا کہ دوسری طرف سے بھی میگا فون استعمال کیا گیا ہے۔

احمد منیر کو پہلے ہی اس جواب کی توقع تھی۔ لیکن توقع کے مطابق صورت حال سامنے آنے کے باوجود وہ گھبرا گیا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ جانتا نہ تھا کہ اس کی ذرا سی بے احتیاطی درجنوں قیمتی جانوں کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد بالآخر اس نے ایک بار پھر مجرموں کو مخاطب کر کے کہا۔ اچھی بات ہے ہم اندر نہیں آئیں گے دیکھتے ہیں تم لوگ کب تک اندر بند رہنا پسند کرتے ہو۔

تم ہمیں کشت و خون کے بغیر نہیں پا سکو گے۔ اندر سے کہا گیا اور خاموشی چھا گئی۔

پولیس کے اعلیٰ افسران کو بینک پر وہائٹ گینگ کے حملے کے متعلق خبر مل چکی تھی۔ انہیں یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ وہائٹ گینگ نے بینک کے دروازے بند کر لیے ہیں اور اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ صورت حال کی سنگینی کے پیش نظر چیف کمشنر کی صدارت بھی اعلیٰ پولیس افسران کی میٹنگ بلائی گئی تھی۔ اس میٹنگ میں اس مسئلہ پر غور ہو رہا تھا کہ عام آدمیوں کو نقصان پہنچائے بغیر کس طرح وہائٹ گینگ کو گرفتار کیا جائے۔ کافی بحث و مباحثہ کے بعد بھی لوگ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تھے۔

دوسرے طرف سیکرٹ فورس کے میجر روز ڈاکٹر مسعود انور نے نصیر الدین کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک کار لے کر جتنا ممکن ہو بینک کے قریب موجود رہے۔ اور ہر نئی صورت حال کی اطلاع ریڈیو ٹیلی فون کے ذریعہ اسے دیتا رہے۔ نصیر کی مدد کے لیے اس

کے ساتھ پروفیسر افغانی اور طاہر کرامت بھی تھے۔ یہ دونوں تماشہ دیکھنے والے راہ گیروں کے ہجوم میں شامل بینک سے ذرا دور کھڑے ہوئے تھے۔ اور غور سے بینک کے چاروں طرف موجود پولیس کی کاروائی دیکھ رہے تھے۔

بینک کے سامنے سڑک کا ٹریفک روک کر دوسرے راستوں کی طرف کر دیا گیا تھا۔

نیر منان کی نظروں کے سامنے بالکل چند دن پہلے والا منظر تھا۔ دروازے کے پاس دو سفید نقاب والے مشین گن سنبھالے کھڑے تھے۔ دو تین اور نقاب پوشوں کے کاؤنٹر پر چڑھ کر سب کو مشین گن سے کور کر رکھا تھا۔ باقی نقاب پوش تیزی سے روپے بٹورنے پر لگے ہوئے تھے۔

بالکل پہلے کی طرح اس بار بھی سرغنہ کے ہاتھوں میں میگا فون تھا جس پر کبھی وہ اپنے ساتھیوں کو ہدایت دے رہا تھا۔

پھر اچانک باہر سے دروازہ تھپتھپا کر کھولے جانے کے لئے کہا گیا تھا۔ وہائٹ گینگ کے نقاب پوش چونک پڑے تھے۔ لیکن ان کا سرغنہ بالکل نہیں گھبرایا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا اور کام روکنے کی ہدایت کر دی تھی۔

پھر چند منٹ بعد ہی میگا فون پر باہر سے دروازہ توڑ دیے جانے کی دھمکی دی گئی۔ باہر سے آخری وارننگ دی گئی۔ پس و پیش کے بعد وہائٹ گینگ کے سرغنہ نے میگا فون کے ذریعے جواب دیا۔ اور اس طرح عارضی طور پر سکون ہو گیا۔ بینک میں پھنسے ہوئے لوگوں کی حالت التبہ خراب تھی۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھی۔ اور وہ قربانی کے بکروں کی طرح سہمی نظروں سے نقاب پوشوں کو تک رہے تھے۔

نقاب پوشوں کا سربراہ اپنے ساتھیوں سے مشورے کرتا ہوا ہال کے چکر لگا رہا تھا۔ وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ کہ بینک سے نکاسی کے تمام ذریعے بند کئے جا چکے ہیں۔ میگا فون والا نقاب پوش پندرہ بیس منٹ تک سارے بینک میں گھوم پھر کر سو چتا رہا پھر آ کر مایوس ہو کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اسکے آدمی بدستور ہتھیار سنبھالے لوگوں کو رکئے ہوئے تھے۔

اسی طرح کافی دیر ہو گئی۔ باہر سے ایک مرتبہ پھر وہائٹ گینگ کے آدمیوں کو ہتھیار ڈال کر خود کو پولیس کے حوالے کرنے کی ہدایت کی گئی جس کے جواب میں سرغنہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ایک کھڑکی کے پاس گیا اور میگا فون اٹھا کر بولا۔ ہم بیس منٹ بعد بینک کا دروازہ کھول دیں گے۔

یہ سنتے ہی لوگوں کے چہرے کھسل گئے۔، ان کو مصیبت ٹلتی نظر آئی۔ خود نیر منان نے بھی یہی سمجھا کہ شاید وہائٹ گینگ والے مایوس ہو کر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے ہیں لیکن ذرا دیر بعد ہی اس کی خوش فہمی دور ہو گئی۔

بینک سے ذرا دور کار میں بیٹھے ہوئے نصیر الدین نے بھی سرغنہ کی آواز سنی اور فوراً ہی اس نے ریڈیو ٹیلی فون پر نئی صورت حال کی اطلاع ڈاکٹر مسعود انور کو دیدی تھی۔

وہائٹ گینگ کے سرغنہ نے اپنے چند آدمیوں کو کچھ ہدایات دیں۔ جن پر فوری طور پر عمل کیا گیا۔ بینک میں موجود لوگوں کو مشین گنوں کے زور پر مختلف کمروں کی طرف دھکیلا جائے گا۔ دو۔ دو۔ تین۔ تین کر کے سب آدمی ہال سے ملے ہوئے کمروں میں دھکیل دیئے گئے۔ نیر منان جب ہال سے لیجایا گیا اس وقت سارا ہال خالی ہو چکا تھا۔ سفید نقابوں میں ملبوس صرف وہائٹ گینگ کے آدمی رہ گئے تھے۔ کمرے میں دوسرے آدمیوں کے پاس پہنچ کر وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طرح ہال کو خالی کرا کے وہائٹ گینگ والے کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ تھا کہ وہائٹ گینگ کا سرغنہ کمرے میں داخل ہوا۔

آپ لوگوں کو اپنی جان بچانا ہے تو جیسا کہا جائے ویسا ہی کیجئے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔ اگر کہنے کے مطابق عمل نہ کیا گیا تو آپ اپنی موت کے خود ذمہ دار ہونگے۔

اس نے مڑ کر ایک نقاب پوش کو اشارہ کیا۔

تم آگے آؤ۔ نقاب پوش نے کمرے میں موجود ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔ تم یہاں سے نکل کر کوریڈور سے گذرتے ہوئے لفٹ والے کمرے میں جاؤ گے۔ سمجھے! تمہیں کہاں جانا ہے۔

لفٹ والے کمرے میں۔ اس آدمی نے فوراً ہی جواب دیا۔

بس تو جاؤ۔ راستے میں کوئی گڑبڑ کی تو فوراً گولی ماردی جائے گی۔

وہ آدمی کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد نقاب پوش نے دو اور آدمیوں کو چنا۔ اور انھیں بھی یہی ہدایت دی۔ اس کے بعد تانتا بندھ گیا۔ کبھی ایک کو اور کبھی دو کو چنا جاتا اور انھیں ایک جیسی ہدایت کے ساتھ رخصت کر دیا جاتا۔

نیر منان پھر الجھن میں پڑ گیا جو کچھ بھی ہو رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نقاب پوشوں کا سردار ایک مرتبہ پھر چلا گیا۔ شاید دوسرے کمرے والوں کو ہدایت دینے گیا۔ آخر نیر منان کا نمبر آ گیا۔ وہ کمرے سے نکل کر ہال میں آیا۔ ہال میں دو تین ہی نقاب پوش تھے۔ دوسرے کمرے سے بھی لوگ نکل نکل کوریڈور کی طرف جا رہے تھے۔

کوریڈور کی طرف جاتے ہوئے نیر منان کی نظر ہال کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے کپڑوں کے ڈیر پر پڑی۔ اس ڈھیر میں سفید لبادوں۔ نقابوں اور دستانوں کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

ایک جھماکے کے ساتھ اسکا ذہن روشن ہو گیا۔ یہ بات تھی۔ اس نے سوچا۔ ایک ایک دو دو کر کے جانے والے عام آدمیوں کی طرح تھے اور آسانی سے ان میں گھل

مل گئے ہونگے۔ اب انھیں سو ڈیڑھ سو آدمیوں میں سے جدا کرنے کا غالبا کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا۔

وہائٹ گینگ کے سب ممبر محفوظ تھے۔ پولیس دوسرے لوگوں کے ساتھ انھیں بھی شبہ کی نظر سے دیکھے گی۔ ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔ لیکن آخر کار انھیں چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ شاید ایک آدمی کو بھی یقین کے ساتھ وہائٹ گینگ کا ممبر نہ سمجھا جا سکے۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا کوریڈور کے سرے پر بنے ہوئے کمرے تک گیا اور کمرے میں موجود لوگوں میں گھل مل گیا۔

☆ احمد منیر اور بینک مینجر

اور آخری آدمی سے کہا گیا کہ وہ دروازہ کھول کر پولیس کو اندر بلائے ہم اندر آئے تو دروازہ کھولنے والے کے سوا سب لفٹ والے کمرے میں بھرے ہوئے تھے۔

ان میں وہائٹ گینگ کے سارے آدمی ہیں لیکن ان کو دوسروں سے جدا کرنا ممکن نہیں۔ نیر منان بولا۔ وہ اور احمد منیر مینیجر کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ کمرے میں ان کے علاوہ دو سارجنٹ اور بینک کا مینیجر تھا جو بار بار احمد منیر کے ٹھیک وقت پر بینک پہنچ جانے کی تعریف کر رہا تھا۔ ساتھ ہی شکریہ بھی ادا کرتا جا رہا تھا۔ اسے اس سے کوئی بحث نہیں تھی کہ نئی صورت حال کی وجہ سے مجرم صاف بچکر نکلے جا رہے تھے۔ اسے تو اپنے بینک کی فکر تھی جو ایک بار پھر لٹنے سے بچ گیا تھا۔

ہوں۔ اچھا جاؤ۔

دونوں کانسٹیبل چلے گئے تو احمد منیر نے خط کی عبارت پر نظر ڈالی۔ پورا خط پڑھنے کے بعد اس نے یہ خط نیر کے سامنے ڈال دیا۔ نیر اس خط پر جھک گیا۔ خط کی عبارت کچھ یوں تھی۔

''مسٹر احمد منیر اس وقت آپکو الجھن درپیش ہے۔ اس کا آسان حل یہ ہے کہ بینک میں موجود ہر آدمی کا انٹرویو علیحدہ کمرہ میں لیا جائے اور مختلف سوالوں کے بعد ہر شخص کے سامنے ''سرخ آنکھ پکارا جائے۔ ڈاکٹر ناصر ناظری کی رپورٹ کے مطابق وہائٹ گینگ ہر ممبر پر ''سرخ آنکھ'' سن کر تو یمی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس کے احترام میں سر جھکاتا ہے۔ امید ہے کہ آپ مطلب سمجھ گئے ہو نگے۔

☆ سیکرٹ فورس''

عبارت پڑھنے کے بعد نیر منان سوالیہ نظروں سے احمد منیر کی طرف دیکھنے لگا۔ نیر نے بڑی کامیابی سے اپنے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا کر لیے تھے۔، حالانکہ کچھ دیر قبل وہ خود بھی یہی تجویز احمد منیر کے سامنے پیش کرنے والا تھا۔ سیکرٹ فورس کی طرف سے یہ تجویز پیش کئے جانے پر حیرت اس بھی تھی۔ کیونکہ اس کے خیال میں سیکرٹ فورس کے کسی ممبر کو بھی بینک کے اندر کیا حالت کا صحیح علم نہیں تھا۔

احمد منیر اس کی سوالیہ نظروں کو دیکھ کر مسکرایا پھر اس نے پہلے تو مختصر طرز پر سیکرٹ فورس کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا۔ مجھے سیکرٹ فورس کی حیرت انگیز معلومات اور کارکردگی پر بہت حیرت ہے۔ میرے سامنے حالات کی پوری تفصیل موجود تھی۔ اس کے باوجود مجھے صحیح ترکیب ابھی اس خط کے آنے سے صرف چند سیکنڈ پہلے سوجھی۔ لیکن سیکرٹ فورس نے حالات کا پوری طرح علم نہ ہونے کے باوجود مجھ سے قبل ہی وہ ترکیب نکالی۔ اور مجھے لکھ کر بھیجی۔

اس کے بعد اس نے دروازہ پر متعین کانسٹیبل سے کہا کہ سارجنٹ کو بلا لائے۔

سارجنٹ کے آنے کے بعد احمد منیر نے ایک ایک آدمی کو بھیجنے کی ہدایت دی۔

نیر نے ابھی تک اپنے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا کر رکھے تھے۔ جیسے وہ ابھی تک نہ سمجھ سکا ہو کہ اس خط کا مطلب کیا ہے۔ کیونکہ اسے تو احمد منیر پر یہ ظاہر کرنا تھا۔ ڈاکٹر ناصر ناظری کی رپورٹ اور اس سلسلے میں دیگر تفصیلات سے وہ لاعلم ہے۔

''آپ سب کے نام اور پتے نوٹ کرتے جائیں۔ احمد منیر نے دوسرے سارجنٹ سے کہا۔

چند منٹ بعد پہلا آدمی ایک کانسٹیبل کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

''آپکا نام؟ احمد منیر نے سوال کیا۔

پتہ۔؟

۳۱۔مظفر آباد سوسائٹی۔

''سرخ آنکھ۔''

''میں آپکا مطلب نہیں سمجھا۔''

کچھ نہیں۔آپکا نام پتہ ہم نے لکھ لیا ہے۔اگر ضرورت پڑی تو آپکو بلا لیا جائے گا۔اب آپ جا سکتے ہیں۔حوالدار انھیں جانے دو۔

شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ آدمی کانسٹیبل کے ساتھ رخصت ہو گیا۔لیکن نیر نے جاتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھے۔جو آخری بظاہر بے معنی سوال کا نتیجہ تھے۔

دوسرے آدمی سے بھی سوالات کی ابتداء کچھ اس طرح ہوئی۔

''آپکا نام؟''

''عزت خان''

''پتہ؟''

کمرہ نمبر۔۵شاہجاہان ہوٹل۔''

''سرخ آنکھ''

عزت خان کی آنکھوں کی چمک یکلخت معدوم ہو گئی۔دوسرے لمحے اسکا سر تعظیم کے انداز میں جھک گیا۔

''حوالدار انہیں روک لو۔اور اگلے آدمی کو بھیجو۔

کانسٹیبل عزت خان کو لے کر چلا گیا۔احمد منیر نیر منان کی طرف مڑا۔

''کچھ سمجھ میں آیا

''کچھ۔کچھ! یہ وہائٹ گینگ کا آدمی ہو گا۔وہائٹ گینگ کے ہر آدمی کو سرخ آنکھ کی تعظیم کرنا ہوتی ہے۔مگر یہ سرخ آنکھ کیا بلا ہے۔کیا یہ کسی کا نام ہے۔

''نہیں۔سرخ آنکھ کا نام نہیں ہو سکتا۔لیکن سرخ آنکھ وہائٹ گینگ کے ہر رکن

کے ذہن پر سوار ہے۔ یہ سب سرخ آنکھ کے نام پر دیے گئے ہر حکم کو ماننے کے لیے ذہنی طور پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔ بالکل اسی انداز میں جس طرح پہناٹزم کا معمول اپنے عامل کا ہر حکم مان لیتا ہے۔

''حیرت انگیز۔''

ہاں یہ ایک حیرت انگیز اور انہونی سی بات ہے۔ بہر حال اب ہم آسانی سے وہائٹ گینگ کے ممبروں کو عام آدمیوں میں سے الگ کر لیں گے۔ یہی ترکیب میری سمجھ میں آئی تھی۔

اتنے میں اور ایک اور آدمی کمرے میں داخل ہوا لیکن یہ سرخ آنکھ کا غلام نہیں تھا۔ آدمی آتے جاتے رہے۔ جس جس نے سرخ آنکھ کے نام تعظیمی سلام کیا۔ اسے روک لیا گیا۔

پھر ایک ایسا آدمی کمرے میں داخل ہوا جسے دیکھ کر احمد منیر چونک پڑا۔

''سجاد۔ تم۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

ہاں میں۔ کیا مصیبت ہے۔ پہلے ڈاکوؤں نے پریشان کیا اب تم پریشان کر رہے ہو۔

''ڈاکو نقاب اتار کر شریفوں میں مل گئے ہیں میں انھیں الگ کر رہا ہوں''

''پھر۔ کامیابی ہوئی۔ کر لیا الگ۔؟

ہاں کامیابی ہوئی تو ہے۔''

''وہ ترکیب کیا ہے۔''

''ہے ایک ترکیب۔ تم سمجھ سکو گے۔ لیکن تم یہاں کہاں آ پھنسے؟

''بینک میں کام تھا۔ لہجہ میں روشنی اور چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

''شمی تو ٹھیک ہے۔ آفس کا کام کیسا چل رہا ہے۔''؟

ہاں سب ٹھیک ہے۔

احمد منیر نے مڑ کر حوالدار سے کہا کہ وہ سجاد کو مینیجر کے پاس لیجاتے وراسکا کام کر ادے۔

''نہیں میں خود کو دوسروں سے افضل نہیں سمجھتا۔ جب دوسرں کا کام آج نہیں ہو رہا تو میں کیوں اپنا کام کراؤں۔ سجاد نے جلدی سے کہا۔

آخر ہرج کیا ہے۔

''نہیں۔ اور فوراہی کمرے سے باہر نکل گیا۔

''آپ نے انہیں ٹسٹ نہیں کیا۔؟

''ارے۔ اسے تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ میرا بڑا گہرا دوست ہے۔''

احمد نے نیر منان کی آنکھوں پر دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ لیکن آنکھیں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔

ابھی کافی آدمی ہوں گے۔ نیر منان نے سوچا اور بوریت آمیز انداز میں سوال جواب سننے لگا۔

☆سرخ آنکھ کی موت☆

دو دن بعد احمد منیر چیف انسپکٹر کے آفس میں داخل ہوا۔

بیٹھو۔ چیف نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ کیا نئی خبر ہے۔

''بینک کے ناکام ڈاکہ میں میں نے جس طرح مجرموں کو عام آدمیوں سے علیحدہ کیا تھا اس کی تفصیل تو میں آپکو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ پچھلے دو دنوں میں پکڑے جانے والے تمام افراد کے گھروں پر جا کر ان کے عزیزوں سے تین سوالات کرتا رہا ہوں۔ ان میں سے دو سوالوں کے جواب تو امید کے مطابق ملے لیکن تیسرے سوال کا جواب کوئی نہیں دے سکا۔ تمام پکڑے جانیوالے بیمار ہوئے تھے۔ بیماری کے بعد ان کا مزاج چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ان میں ذہنی تبدیلی محسوس کی جانے لگی تھی۔ لیکن کسی ایک کیس میں بھی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ بیماری کا علاج کرنیوالے کون تھا۔ یہ بات بڑی اہم ہے۔ علاج کرنے والے کا نام جب تک چھپایا نہ جائے چھپ نہیں سکتا۔ گھر والوں کو پتہ چال ہی جاتا ہے۔ کہ دوا کہاں سے آ رہی ہے۔ بیمار کس ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہے۔ اکثر ڈاکٹر گھر پر بھی ڈاکٹر نہیں آیا تھا۔ اور دوا کی شیشیوں پر بھی ڈاکٹر کے دواخانے کی مہر یا پتہ نہیں تھا۔

ویسے یہ راز داری میرے اندازے کے مطابق ہی۔ کیونکہ مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ اسی قسم کی کوئی صورت سامنے آئے گی۔ مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن اس ڈاکٹر کا پتہ چل جائیگا۔ اور شاید وہی سرخ آنکھ کی موت کا دن ہو۔

سجاد کو بینک میں دیکھتے ہی میرے ذہن میں نسیم صہبائی کا خیال آیا تھا۔ اس کے حالات اور سجاد کے حالات میں سرمو فرق نہیں ہے۔

لیکن تم نے مجھے سجاد کے بارے میں اس سے قبل کچھ نہیں بتایا۔ چیف انسپکٹر نے احمد منیر کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

دراصل اس سے قبل سجاد کے جو حالات میرے علم میں آئے تھے انھیں میں نے

اس زاویہ سے نہیں دیکھا تھا۔ میں دوستانہ طور پر اسکے گھر جاتا تھا انہیں دنوں میں نے اسے بدلا بدلا پایا۔ اس وقت میرے علم میں نہ تو سرخ آنکھ کا طریقہ کار تھا اور نہ ہی کوئی ایسا کیس سامنے تھا جیسا بعد میں میرے سامنے آیا۔

''ہوں۔ اچھا آگے۔ چیف نے بات سمجھتے ہوئے کہا۔

جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا مجھے نسیم صہبائی اور سجاد کے حالات میں بہت یکسانیت محسوس ہوئی نسیم روشن خیال اور ذہین مصنف تھا۔ سجاد کی روشن خیالی اور اعلیٰ ذہنی سطح کا میں عرصے سے قائل ہوں۔ نسیم بیماری کے بعد چڑچڑا ہو گیا تھا۔ سجاد بھی بیمار ہوا تھا۔ اس کے بعد تو جیسے اس کی کایا پلٹ گئی تھی۔ اسے تصنیف و تالیف اور شاعری سے چڑ تھی لیکن بعد میں وہ مصنف اور شاعر بننے لگا تھا۔ اس کے علاوہ شمی کا بیان بھی سجاد کو سرخ رنگ سے منسلک کرتا ہے۔ سوتے میں سرخ۔ سرخ بڑبڑانا۔ شمی سے تحقیر آمیز اور میرے ساتھ نفرت آمیز رویہ۔ یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ وہ یقیناً سرخ آنکھ اور..... وہائٹ گینگ سے منسلک تھا۔ مجھے اسی وقت خیال گذرا تھا کہ سجاد سے بہتر وہائٹ گینگ کی سرداری کے لئے اور کون ملے گا۔ یہی سوچ کر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ سابقہ دو دن کی تفتیش سے مجھے اندازہ ہوا کہ میرا خیال ٹھیک ہے۔ میں نے سجاد کی نگرانی کے لئے آدمی مقرر کر دیے ہیں۔ انھیں خاص طور پر ہدایت کر دی ہے اگر سجاد کسی ڈاکٹر سے ملے تو فوراً مجھے رپورٹ دی جائے۔

ہاں ٹھیک ہے۔ میرے خیال میں اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اچھا اب اسے دیکھو۔ یہ کہہ کر چیف انسپکٹر نے ایک خط احمد منیر کی طرف بڑھا دیا۔ احمد منیر نے خاموشی سے خط کو پڑھا چیف انسپکٹر کی تبدیلی کے احکامات تھے۔

''مجھے ایک چھوٹے سے شہر میں پھینکا جا رہا ہے۔ احمد منیر کے خط پڑھ کر چکنے کے بعد چیف انسپکٹر نے اسے بتایا۔

لیکن کیوں سر۔؟

تمہیں یاد ہے۔ میں نے سیکرٹ فورس کے فائل پر کیا نوٹ لکھا تھا۔ یہ شاید اسی نوٹ کا اثر ہے۔ میری جگہ ایک فارن کوالیفائڈ ایکسپرٹ کو بھیجا جا رہا ہے۔ جو خاص طور سے سیکرٹ فورس کے فائل کو ڈیک کرے گا۔

مجھے یقین ہے کہ فارن ایکسپرٹ آپ کی جگہ پر نہیں جم سکے گا۔

''شاید۔ چیف انسپکٹر نے کہا۔ مجھے اس جگہ کو چھوڑتے ہوئے رنج کم ہے اور خوشی زیادہ میں اس محکمے کی سیاہی چالوں اور کارکنوں کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آ گیا تھا۔ اس چھوٹے سے شہر میں رہ کر شاید میں اپنی ملازمت کے بقیہ دن سکون سے گذار سکوں۔

''لیکن سر! میں کبھی آپکو نہیں بھول سکونگا۔

''بھولنے کی ضرورت بھی کیا ہے تم مجھے خط لکھتے رہنا اور کبھی اس شہر سے دل اکتا جائے تو مجھے لکھنا میں تمہیں اپنے پاس تبدیل کرا لونگا۔ فی الحال اپنی مرضی سے میں ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ چھوٹی جگہ کے مقابلے میں بڑی جگہ پر ترقی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ پھر تم میں تو آگے بڑھنے کی غیر معمولی صلاحیتیں ہیں۔ تم اس صلاحیتوں کا استعمال بڑے شہر میں بہتر طور پر کر سکتے ہو۔

''شکریہ سر! احمد منیر کا انداز جذباتی ہو گیا۔

اسی وقت نیر منان ایک ٹیلی فون بوتھ سے جنرل روز کو فون کر رہا تھا۔ ابتدائی کلمات کے تبادلی کے بعد اس نے میجر روز سے کہا۔

''احمد منیر پر مجھے اقربا پروری کا شبہ ہوا تھا کیونکہ اس نے اپنے دوست سجاد کو ٹسٹ کیے بغیر جانے دیا تھا۔ کل اور آج میں نے اس کے دوست کے بارے میں معلومات کی ہیں۔ سجاد ایک بڑی اچھی فرم کا جنرل مینیجر ہے۔ لیکن پچھلے چند ہفتوں سے چھٹی پر ہے۔ کچھ بیمار ہوا تھا۔ بہت دنوں سے چھٹی نہیں لی تھی۔ آرام کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ لیکن آج کل گھر پر بہت کم رہتا ہے۔ بیوی سے کشیدگی

ہے۔اور کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوسکی۔

''بینک کس کام سے گیا تھا۔کچھ معلوم کیا۔

جی ہاں۔اسکا اپنا اکاؤنٹ اس بینک میں نہیں ہے۔اس کی فرم کا اکاؤنٹ بے شک اسی بینک میں ہے لیکن چھٹی پر ہونے کی وجہ سے فرم کے کام سے بینک جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسکا مطلب یہ ہوا کہ وہ وہائٹ گینگ سے منسلک ہے۔

''جی ہاں۔نتیجہ تو یہی نکلتا ہے۔لیکن پھر احمد منیر نے اسے ٹسٹ کیوں نہیں کیا۔

''ٹھہرو!محکمہ سراغرسانی کے ریشپنسٹ نے ابھی رپورٹ دی ہے مجھے دیکھنے کا موقع نہیں ملا ابھی دیکھ کر تمہیں بتایا ہوں۔

نیر منان ریسیور سنبھالے کھڑا رہا۔

''احمد منیر پر اقربا پروری کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔احمد منیر نے چیف انسپکٹر کو جو رپورٹ دی ہے اس میں اس کی وجہ بیان کردی ہے۔اسکے خیال میں سجاد وہائٹ گینگ سے منسلک ہے۔وہ چاہتا ہے کہ سجاد کے ذریعہ اس شخصیت تک پہنچ جس نے اسے سرخ آنکھ کے زیر اثر کیا ہے۔اس کے خیال میں ایسی شخصیت کسی ڈاکٹر ہی کی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ کسی بیماری کے دوران ایک مریض ڈاکٹر سے متواتر رابطہ رکھتا ہے۔اگر وہ دلچسپی رکھتا ہو تو مریض کے ذہن پر رفتہ قبضہ کرسکتا ہے۔احمد منیر نے گرفتار شدگان کے عزیزوں سے بھی ان ڈاکٹروں کا پتہ معلوم کرنا چاہا لیکن ہر جگہ ناکامی ہوئی۔اب نظر کے سامنے سجاد کے پیچھے اپنے آدمی لگا دیے ہیں۔

''ٹھیک ہے۔میرا اپنا خیال بھی یہی تھا۔میرا ارادہ بھی اب پکڑے جانے والے مجرموں کے گھروں پر جا کر کسی ایسی ہستی کا پتہ چلانا تھا جو ان جرمین سے مستقل رابطہ رکھ سکتی ہو۔میرے خیال میں اب میرے لئے بھی یہی مناسب ہے کہ سجاد پر نظر رکھوں۔

''ہاں طریقہ بالکل مناسب ہے۔لیکن یہ خیال رکھنا کہ کہیں تم احمد منیر کے آدمیوں کی نظروں میں نہ آ جاؤ۔

''جی نہیں! میں اسکا خیال رکھوں گا۔آپ کے توجہ دلانے کا شکریہ۔

''اور کچھ۔

''جی نہیں۔خدا حافظ۔

''خدا حافظ۔

دوسرے دن گیارہ بجے احمد منیر کو اس کے آدمی نے رپورٹ دی کہ سجاد ابھی ابھی ایک ڈاکٹر کی ڈسپنسری میں گیا ہے۔

''ڈاکٹر کا نام؟ ڈسپنسری کا پتہ۔؟

ڈاکٹر مجید۔مجید کلینک۔صفدر روڈ۔

''انتظار کرو۔میں آ رہا ہوں۔اگر سجاد میرے آنے سے پہلے کہیں جائے تو نگرانی جاری رکھنا۔

احمد منیر نے ٹیلی فون رکھ کر ڈائری میں اپنی روانگی درج کی اور مجید کلینک کی طرف چلایا۔مجید کلینک تک پہنچنے میں احمد منیر کو پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔کلینک کے سامنے ہی احمد منیر کو سجاد کی نگرانی کرنے والا مل گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ سجاد ابھی کلینک ہی میں ہے۔ڈاکٹر کی موجودگی کی اطلاع ملی اور یہ بھی معلوم ہو کہ وہ مریضوں کو دیکھ رہا ہو۔ڈاکٹر کلینک سے ملے ہوئے عمارت کے ایک حصہ میں رہتا تھا۔لیکن مریضوں سے ملنے کے اوقات مقرر تھے۔وقت ختم ہونے میں اب صرف بیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔

احمد منیر چند منٹ اپنے آدمی سے باتیں کرتا رہا۔ڈاکٹر سے ملنا ضروری تھا۔لیکن یہ بات فیصلہ طلب تھی کہ کس حیثیت سے ملا جائے۔اس بات کے امکانات تھے کہ ڈاکٹر مجید ہی سرخ آنکھ کا مالک ہو۔اگر وہ پولیس انسپکٹر کی حیثیت سے ملتا تو ڈاکٹر

مجید اسے کوئی بات نہ بتاتا۔ مریض کی حیثیت سے ملنے میں مطلب کی بات چھیڑنے کے لئے کوئی راہ نہیں سوجھ رہی تھی۔ وہ ڈاکٹر سے کیسے پوچھتا کہ نسیم اور اسکے ساتھی۔ غلام احمد برنی اور حال ہی میں پکڑے جانے والے وہائٹ گینگ کے کارکن کبھی اس کے زیر علاج رہے ہیں یا نہیں۔

بہر حال جس حیثیت سے بھی ہو۔ ڈاکٹر سے ملاقات ضروری تھی۔ اس نے اپنے آدمی کو چند ہدایات دیں اور کلینک میں داخل ہو گیا۔ دروازے سے گذر کر وہ ایک چوڑے سے کوریڈور میں آیا۔ کوریڈور میں دونوں طرف مختلف کمروں کے دروازے تھے۔ کوریڈور کے آخر میں صرف ایک کمرے کا دروازہ تھا۔ دروازہ پر دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ جس کے پاس اسٹول پر ایک اردلی بیٹھا ہوا تھا کمرے کے سامنے کوریڈور میں دونوں طرف صوفوں پر کچھ مریض بیٹھے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن سجاد موجود نہیں تھا۔ احمد منیر بھی انہیں میں جا بیٹھا۔

ایک ایک کر کے مریض کمرے میں جاتے رہے۔ انھیں ڈاکٹر سے ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگ رہی تھی۔ واپسی پر ان کے ہاتھوں میں نسخہ ہوتا تھا جسے لیکر وہ کوری ڈور رہی میں کھلنے والے ایک اور دروازہ میں داخل ہو جاتے جس پر ڈسپنسری لکھا ہوا تھا۔

احمد منیر کی باری آنے میں بارہ منٹ لگے۔

وہ پردہ ہٹاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ چھوٹا سا تاریک کمرہ تھا۔ تاریکی کی وجہ کھڑکیوں پر ..... پڑے ہوئے دبیز پردے تھا۔ صرف روشندان کی جالی سے کچھ روشنی اندر آ رہی تھی۔ ڈاکٹر کے سامنے پڑی ہوئی میز پر رکھا ہوا ٹیبل لیمپ میز پر تیز روشنی کئے ہوئے تھا۔ لیکن اس کا رنگین شیڈ روشنی کو کمرے میں پھیلنے سے روک رہا تھا۔

ڈاکٹر مجید میز کے پیچھے ایک ریوالونگ چیر پر بیٹھا تھا۔ وہ چھریرے جسم کا ادھیر عمر

آدمی تھا۔اس کی آنکھوں پر بڑے بڑے تاریک شیشوں کا چشمہ لگا ہوا تھا۔احمد منیر کو ہلکی کو ہلکی روشنی میں اس کا چشمہ لگانا بڑا عجیب لگا۔اس کے شہبات اور گہرے ہو گئے۔اگر آنکھیں غیر معمولی سرخ ہوں تو انھیں تاریک شیشوں کے چشمے ہی سے چھپایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر نے اپنے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔احمد منیر خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ڈاکٹر اسے مریض ہی سمجھ رہا تھا۔احمد منیر نے اسی حیثیت کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا۔

کیا تکلیف ہے آپکو؟

احمد منیر نے سینے کو تھپ تھپاتے ہوئے کہا۔ڈاکٹر میرے سینے میں ہلکا ہلکا درد رہتا ہے۔

آپ میرے اور قریب آجائیں اور اپنی قمیض اتار لیں۔ڈاکٹر نے گلے میں پڑے ہوئے اسٹیتھسکوپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

احمد منیر نے قمیض اتار دی۔ڈاکٹر نے اس کے سینے کا معائنہ کیا۔انگلی سے بجا بجا کر دیکھا۔تفصیلی معائنہ کے بعد اس نے اسٹیتھسکوپ کا فون سے نکال لیا۔

''سینے میں تو کوئی گڑبڑ نہیں معلوم ہوتی۔

''مگر ڈاکٹر درد تو ہوتا ہے۔

''درد کب ہوتا ہے۔

''بس کسی بھی وقت ہونے لگتا ہے۔

''کب سے شروع ہوئی ہے یہ تکلیف آپکو۔

جب سے نسیم صہبائی کے سوئم میں شرکت کی تھی۔

ڈاکٹر۔نسیم صہبائی کے نام پر چونکا تھا۔احمد منیر کا شک یقین میں بدل گیا۔ڈاکٹر مجید کی آنکھیں سرخ ہونا چاہیں۔

''نسیم صہبائی تو شاید کسی ادیب کا نام ہے۔ڈاکٹر نے بغور احمد منیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔وہ شاید احمد منیر کے خیالات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔لیکن احمد منیر کا چہرہ اسے سپاٹ ہی محسوس ہوا۔

''جی ہاں آپ نے اسکو پڑھا ہے۔احمد منیر نے سوال کیا۔

''ہاں۔بہت دلچسپ لکھتا ہے۔

''کونسی کتاب پڑھی ہے۔

''اوہ نام تو یاد نہیں۔

''میں ناولوں کا شوق نہیں رکھتا۔لیکن میرے دوست سجاد حیدر نے نسیم کی اتنی تعریف کی کہ میں نے اسکا ایک ناول پڑھ ہی لیا۔

سجاد کے نام پر ڈاکٹر ایک بار پھر چونکا تھا۔وہ کوئی عادی مجرم نہیں معلوم ہوتا تھا۔کم از کم جذبات چھپائے کے فن سے قطعاً نابلد تھا۔

سجاد حیدر۔ڈاکٹر کے لہجے میں سوال سے زیادہ فکر اور پریشانی تھی۔

جی ہاں۔کیا آپ ان سے واقف ہیں۔

نہیں نہیں۔ڈاکٹر نے فوراً انکار کیا۔

لیکن سجاد تو کہہ رہا تھا کہ آجکل وہ آپکا علاج کر رہا ہے۔

ڈاکٹر کے چہرے پر پسینہ جھلک آیا تھا۔اگر وہ چشمہ لگائے ہوئے نہ ہوتا تو یقیناً اس کی آنکھوں سے خوف کا اظہار ہو جاتا۔

''ممکن ہے وہ میرے زیر علاج ہوں مجھے مریضوں کے نام یاد نہیں رہتے۔ڈاکٹر نے بمشکل اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔معاف کیجئے مجھے ابھی تک آپکا نام نہیں معلوم ہوا۔

احمد منیر دل ہی دل میں ڈاکٹر کی بوکھلاہٹ پر مسکرایا۔کوئی ڈاکٹر مریض کو دیکھنے کے دوران اسکا نام معلوم نہیں کرتا۔یہ مرحلہ تو نسخہ لکھنے کے وقت پیش آتا ہے۔

''میرا نام احمد منیر ہے۔اس نے فوراہی جواب دیدیا تھا۔

اس مرتبہ ڈاکٹر نے اپنے چہرے کے تاثرات چھپانے کی کوشش کی۔اس نے فورا اپنا رخ منیر کی طرف کرلیا اور قلم اٹھا کر پیڈ پر احمد منیر کا نام لکھنے لگا۔لیکن جو کچھ احمد منیر اس کے چہرے پر نہ دیکھ سکا تھا وہ اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں نے دکھا دیا۔ڈاکٹر مجید۔احمد منیر کے نام سے اچھی طرح واقف معلوم ہوتا تھا۔نہ صرف نام سے بلکہ اس کی شخصیت سے بھی۔اگر اسکا ذرا سا تعلق بھی وہائٹ گینگ سے تھا تو اسے لازمی طور پر احمد منیر کے نام سے واقف ہونا ہی چاہیے تھا۔

احمد منیر اپنی قمیض پہننے لگا۔ مجھے آپکا تفصیلی معائنہ کرنا پڑے گا۔ڈاکٹر نے کاغذ پر سے نظر اٹھا کر کہا۔احمد منیر نے غور سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔لیکن اسے ڈاکٹر کے چہرے پر کوئی ایسی علامت نظر نہ آئی جس سے کسی خطرہ کا احساس ہوتا۔اس مرتبہ ڈاکٹر تاثرات چھپانے میں کامیاب رہا تھا۔اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔اپنی شخصیت کے اظہار کے بعد رکنا۔احمد منیر اپنے لئے مناسب نہیں سمجھتا تھا۔لیکن یوں بھاگ کر اٹھنا مناسب نہیں تھا۔۔بظاہر کوئی فوری خطرہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔اس کا آدمی باہر اسکا منتظر تھا۔جو اس کے نہ لوٹنے پر چیف کو رپورٹ کر سکتا تھ۔جس کی ہدایت اسے پہلے ہی دے دی گئی تھی۔

اچھی بات ہے ڈاکٹر احمد منیر نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

تو آپ ذرا سامنے والی کرسی پر آ جایئے۔میں دوسرے مریض کو بلاتا ہوں۔

احمد منیر دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر نے گھنٹی بجا کر اپنے اردلی کو بلایا۔اور دوسرے مریض کو بھیجنے کے لئے کہا۔

دس منٹ بعد آخری مریض کو نسخہ دینے کے بعد ڈاکٹر اٹھ کھڑا ہوا۔

آئے۔اس نے احمد منیر سے کہا۔اندر ایکسرے مشین سے مجھے آپ کے سینے کا

جائزہ لینا پڑے گا۔

احمد منیر ڈاکٹر کیا ساتھ اندر کھلنے والے دوروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے سے گذر کر وہ ایک اور کمرہ میں داخل ہوئے۔ اس کمرے سے ملحق ایک دوسرا کمرہ تھا۔ ڈاکٹر احمد منیر کو لئے ہوئے اس کمرے میں داخل ہوا۔ اس کمرے کا ماحول اور بھی زیادہ تاریک تھا۔ کمرے کے بیچ میں ایک بڑی میز پڑی ہوئی تھی۔ میز کے اوپر فلڈ لائٹ کا انتظام تھا۔ لیکن اس وقت وہ روشن نہیں تھی۔ صرف ہلکی روشنی کا ایک بلب جل رہا تھا۔

ڈاکٹر نے احمد منیر کو قمیض اتار کر میز پر لیٹنے کے لئے کہا۔ نیز ڈاکٹر کے طریقہ کار کو سمجھنا چاہتا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر لوگوں کو کس طرح اپنا معمول بناتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ وہ پہلے سے تیار ہے اس لئے ڈاکٹر اگر اسکو ہپناٹائز کرنا چاہے گا تو عین وقت پر وہ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہ کچھ کر سکے گا۔ یہ سوچ کر اس نے قمیض اتاری اور میز پر چڑھ گیا۔ میز پر سر رکھنے کی جگہ ابھری ہوئی تھی۔ اور تین جگہ چھوٹے بڑے سوراخ تھے۔

بالکل سیدھے لیٹ جایئے۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ۔ پاؤں ملا لیجئے اور ہاتھ پہلوؤں میں میز پر پھیلا لیجئے۔

آنے والے نامعلوم لمحات کے خیال سے احمد منیر کے جسم میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی ایک لمحہ کے لئے اسے خیال آیا کہ ڈاکٹر کی بات نہ مانے اور میز سے اٹھکر چلا جائے۔ لیکن اس نے اپنے ذہن سے اس خیال کو جھٹک دیا۔ اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق لیٹ گیا۔ ڈاکٹر نے اس کے ہاتھوں کو ادھر ادھر کیا۔ اور میز کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولا۔

کھٹاک!

احمد منیر غیر متوقع آواز سن کر چونک پڑا۔ اسے محسوس ہوا کہ ہاتھوں اور پاؤں کے

گروہ آہنی کڑے اسے جکڑ چکے ہیں۔ آواز کٹروں کے دونوں سروں کے ملنے سے پیدا ہوئی تھی۔ ساتھ ہی وہ تیز روشنی میں نہا گیا۔ فلڈ لائٹ کا سوئچ آن کر دیا گیا تھا۔

یہ کے ڈاکٹر۔ احمد منیر نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ یہ صورت حال اس کے بعید تر اندیشوں سے بھی پرے تھی۔

میں اپنے مریضوں کو بے بس کر کے ہی تفصیلی معائنہ کرتا ہوں۔ ڈاکٹر کی آواز میں خوشی کی چمک تھی۔ تمہارا انتظار تو سرخ آنکھ کو بڑے عرصے سے تھا۔ سرخ آنکھ سے تو تم واقف ہی ہو گے۔

اوہ۔ احمد منیر اتنا ہی کہہ سکا۔

تم ابھی اپنے دوست سجاد کا ذکر کر رہے تھے۔ ٹھہرو میں ابھی تمہیں اس سے ملواتا ہوں۔

ڈاکٹر شاید میز میں لگے ہوئے کسی بٹن کو دبایا۔ دور کسی گھنٹی کے بجنے کی آواز سنائی دی۔

اس کے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ احمد منیر نے سر کو تھوڑا سا اٹھایا۔ دروازے میں سجاد کھڑا تھا جو تیز روشنی کے دائرے سے باہر ہونے کی بنا پر اسے دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔

سرخ آنکھ کا ادنی خادم۔ وہائٹ گینگ کا نیا راہبر۔ ڈاکٹر کی آواز پر سجاد نے تعظیمی انداز میں سر کو جھکایا۔

احمد منیر خاموشی سے سجاد کو دیکھتا رہا جو بے حس و حرکت دروازے میں کھڑا تھا۔

سرخ آنکھ کے خادم اندر اور سرخ آنکھ کے اس دشمن ک اگلا گھونٹ دے۔

ڈاکٹر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

سجاد نے حرکت کی۔ اور آہستہ آہستہ احمد منیر کی طرف بڑھنے لگا۔

احمد منیر چند لمحے سجاد کو دیکھتا رہا پھر ڈاکٹر سے بولا۔ ڈاکٹر اگر چند منٹ کے اندر

اندر ڈسپنسری سے نکل کر اپنے محکمے کے ایک فرد سے نہیں ملا تو وہ پولیس کو اطلاع دیدے گا۔ پھر تمہارے لئے پولیس کو جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔

سجاد آہستہ آہستہ بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ آگے کو نکلے ہوئے تھے اور نیچے کھل گئے تھے۔ اب وہ روشنی کے دائرے میں آ گیا تھا۔ احمد منیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں دوستی اور واقفیت کا نام و نشان تک نہ تھا۔

''سرخ آنکھ'' کے خادم ٹھہر جا۔ ڈاکٹر نے کہا تو نے سنا۔ پہلے اس کے ساتھی کا علاج کر۔ سجاد نے تعظیمی انداز میں سر کو جنبش دی اور مڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''ڈاکٹر مجھے حیرت ہے کہ تم ہپناٹزم میں اتنی مہارت کیسے حاصل کر لی کہ سجاد جیسا ذہین تمہارا غلام بن کر رہ گیا۔ احمد منیر نے حیرت آمیز لہجے میں ڈاکٹر سے پوچھا۔

ہپناٹزم! ڈاکٹر نے ایک قہقہہ لگایا۔ سرخ آنکھ ہپناٹزم کی ماہر نہیں ذہنوں کو تسخیر کرنے والی قوت کی حامل ہے۔ سرخ آنکھ کی بے پناہ قوت کے آگے عام ذہن کی قوت ایسی ہی ہے جیسے انسان کی بتائی ہوئی بجلی آسمانی بجلی کے سامنے حقیر اور کمزور ہے۔ اس کی قوت کے آگے عام انسانی قوت ارادی اس طرح دب جاتی ہے جس طرح بادلوں کی گرج کے آگے عام آواز۔

لیکن ڈاکٹر سجاد کوٹھی سے باہر اور تم سے دور رہ کر تمہاری قوت کے زیر اثر کیسے رہ سکتا ہے۔

سرخ آنکھ کا حکم ماننے پر مجبور ہے۔

سرخ آنکھ کا ڈاکے ڈلوانے سے کیا مقصد ہے۔ وہ آخر چاہتی کیا ہے۔

سرخ آنکھ جو کچھ چاہتی ہے۔ وہ جلد ہی دنیا کے سامنے آ جائے گا۔ فی الحال سرخ آنکھ کو روپیہ چاہیے۔ بے شمار روپیہ دولت جو اس کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنائے جانے میں استعمال کی جائیگی۔ وہ دنیا میں ایک انقلاب لانا چاہتی ہے۔ وہ دنیا کے لوگوں کے لئے ایک قدم مذہب میں بھلائی دیکھ رہی ہے وہ چاہتی ہے کہ

پوری دنیا اس مذہب کی پیر ہو جائے۔

کس مذہب کی۔

دنیا کو جلدی پتہ چلا جائیگا۔ بہت جلد پتہ چل جائے گا۔

ایک بات اور ڈاکٹر! احمد منیر نے سوال کیا۔ سجاد اور نسیم صہبائی کے آخری دنوں کے بارے میں مجھے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مزاج بدل گئے تھے۔ پسند بدل گئی تھی ناپسند تبدیل ہو چکی تھے۔ اس کے علاوہ گھنٹی کی تیز آواز نے ایک بار سجاد کو تمہارے اثر سے نکال دیا تھا۔ ایسا کیوں ہوت تھا؟

سرخ آنکھ کو قوت سامنے موجود ہر شخص کو اپنا غلام بنا سکتی ہے۔ لیکن اس اثر کو سرخ آنکھ کی غیر موجوگی میں بھی قائم رکھنے میں کچھ وقت لگتا تھا۔ اس سلسلے میں پہلے جو احکامات دئے جاتے تھے وہ محبت اور نفرت کے جذبات کو تبدیل کرنے کے متعلق ہوتے تھے۔ کیونکہ یہی وہ جذبات زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ ان کی تبدیلی کے بعد دوسرے جذبات وخیالات کو تبدیل کرنا آسانی ہے۔ اس طرح سرخ آنکھ زیر اثر آنے والوں کو جرائم کے ارتکاب کے لئے تیار کرتی تھی۔ گھنٹی کی تیز یا کوئی ایسا عمل جو سرخ آنکھ کے غلاموں کو تسکین پہنچائے شروع کے دنوں میں ان کو کچھ دیر کے لئے سرخ آنکھ کے اثر سے نکال دیتا تھے۔ ڈاکٹر نے تفصیل سے احمد منیر کو سمجھایا۔

کمرے کا دروازہ کھلا۔ سجاد اپنی نگرانی کرنے والے کو ساتھ لیکر اندر داخل ہوا۔ احمد منیر کا ساتھی اسے میز پر جکڑا ہوا دیکھ کر ایک دم چونکا لیکن سجاد کے اچانک حملے نے اسے کچھ کرنے کو موقعہ نہ دیا صرف ایک زوردار ضرب نے اسے بے ہوش کر دیا۔

کی نگرانی کر رہا تھا۔ سجاد نے رپورٹ کرنے کے انداز میں ڈاکٹر سے کہا۔ میں سیدھا اس کے پاس گیا۔ اور اسے کہا کہ تمہیں منیر نے بلایا ہے۔ یہ میرے ساتھ چلا آیا۔

بہت خوب! ڈاکٹر نے کہا۔ اب تم سرخ آنکھ کے دشمن کو ختم کر دو۔ ڈاکٹر کا اشارہ احمد منیر کی طرف تھا۔ سجاد ایک مرتبہ پھر بے بس پڑے ہوئے احمد منیر کی طرف بڑھا۔

پروگرام کے مطابق نیر منان بھی سجاد کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کی نظروں میں وہ آدمی بھی تھا جسے احمد منیر نے سجاد کی نگرانی پر لگایا تھا۔ وہ سجاد کا تعاقب کرتا ہوا مجید کا نیک تک آیا تھا۔ اس کو دواخانے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا تھا۔ سجاد کو دواخانے میں جاتا دیکھ کر احمد منیر کا آدمی قریبی دوافروش کی دکان میں داخل ہوا تھا۔ نیر منان نے اسے دوکان میں داخل ہوتا دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ وہ احمد منیر کو فون کرنے گیا ہے۔

پندرہ بیس منٹ بعد احمد منیر بھی اسے نظر آ گیا۔ پہلے وہ اپنے آدمی سے ملا تھا۔ اس سے کچھ باتیں کرنے کے بعد وہ کلینک میں داخل ہو گیا تھا۔ نیر منان نے حیرت سے مجید کلینک میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کے خیال میں احمد منیر کا یوں بے دھڑک ڈاکٹر کے پاس چلا جانا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

بے چینی سے احمد منیر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ آدھے پون گھنٹے بعد سجاد کلینک سے نکلتا نظر آیا۔ نیر منان اسے دیکھ کر چوکنا ہو گیا۔ سجاد اس کی نظروں کے سامنے اپنے تعاقب کنندہ کے پاس گیا اور اس سے کچھ کہا۔

نیر منان ان کی حیرت زدہ نظروں نے اسے سجاد کے پیچھے کلینک میں داخل ہوتے دیکھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا احمد منیر کسی سازش کا شکار ہو گیا۔ سجاد کو کیسے معلوم ہوا کہ کوئی آدمی باہر کھڑا ہوا ہے۔ وہ آدمی سجاد کے ساتھ یوں چپ چاپ کیسے چلا گیا۔ آخر سجاد نے اس سے کیا کہا ہو گا۔ وہ تھوڑی دیر اسی قسم کے خیالات میں کھویا رہا پھر جلدی جلدی میڈیکل سٹور کے مالک نے عوام کی اور اپنی آسانی کے لئے لگوایا ہو گا۔ اس نے جلدی جلدی ڈاکٹر مسعود انور سے سلسلہ ملایا۔

اور پوری صورت حال اس کے گوش گذار کی

میرے خیال میں موجود حالات میں ڈاکٹر مجھے پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ممکن ہے اس نے کسی طرح زبردستی احمد منیر سے اس آدمی کو موجودگی معلوم کرنی ہو اور پھر اسی کے حوالہ سے سجاد کو اسے بلانے بھیجا ہو۔ڈاکٹر مسعود نے کہا۔

تب تو مجھے فوراً کلینک میں داخل ہونا چاہیے۔ممکن ہے دیر ہو جانے کی صورت میں احمد منیر کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔نیر نے گھبرائے ہوئے انداز سے کہا۔

ہاں۔تم فوراً کلینک جاؤ۔ذرا دیکھ بھال کر قدم اٹھانا۔میں تمہاری مدد کے لئے کرنل گرین کرنل بلیک اور کرنل وہائٹ کو بھیج رہا ہوں۔

نیر منان نے سلسلہ منقطع کیا اور میڈیکل اسٹور سے نکل آیا۔

ڈاکٹر تمہارا یہ غلام بہت زہین ہے۔احمد منیر نے سجاد کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر گھبرائے بغیر ڈاکٹر سے کہا۔بینک میں اس نے ڈاکوؤں کو بچانے کے لئے وہ چال چلی تھی کہ وہائٹ گینگ کے ایک آدمی کو پکڑنا بھی دشوار تھا۔

ہاں۔بڑی اچھی ترکیب تھی۔پتہ نہیں تم نے اسکا توڑ کس طرح کیا۔

سجاد ہاتھ پھیلائے منیر کے قریب آ چکا تھا۔

ڈاکٹر تم خود دیکھ لو میں نے کس طرح وہائٹ گینگ کے آدمیوں کو پہنچانا تھا۔

احمد منیر نے اطمینان سے سجاد کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔اس سے پہلے کہ سجاد کے ہاتھ احمد منیر کی گردن دبا دیتے اس نے سرخ آنکھ کا نعرہ لگایا۔

سجاد کے بڑھتے ہوئے ہاتھ پیچھے ہٹ گئے۔سیدھے ہو کر اس نے مخصوص انداز میں سرخ آنکھ کو تعظیم دی۔

احمد منیر نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔جس کے چہرے پر بوکھلاہٹ چھائی ہوئی تھی۔پھر اس نے پلٹ کر سجاد کی طرف دیکھا جو دوبارہ اس کی طرف جھکنے لگا تھا۔

سرخ آنکھ کے خادم۔احمد منیر نے آواز دی کسی دوسرے کا حکم ماننے سے

پہلے اس سیاہ چشمے والے کو ختم کر۔

سجاد ایک لمحہ کے لئے سیدھا کھڑا رہا۔ دوبارہ جب اس نے حرکت کی تو اسکا رخ ڈاکٹر کی طرف تھا۔ احمد منیر نے مسکراتے ہوئے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

سرخ آنکھ کے خادم، سرخ آنکھ کے دشمن کو پہچان۔ ڈاکٹر نے سجاد کو مخاطب کر کے کہا۔ لیکن سجاد اس کی طرف بڑھتا رہا۔

تم نے میرے الفاظ پر غور نہیں کیا۔ احمد منیر نے ڈاکٹر سے کہا۔ دوسرا حکم ماننے سے پہلے تمہارا خاتمہ ضروری ہے۔ سرخ آنکھ کا خادم سرخ آنکھ کے نام پر دیے۔ تم کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور لفظ بالفظ اس پر عمل کرتا ہے۔

ڈاکٹر مجید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ سجاد ہاتھ پھیلائے آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ ڈاکٹر کے چہرے سے بے پناہ خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔ چہرے اور پیشانی پر پسینہ کے قطرات ابھر آئے تھے۔ رفتہ رفتہ اس کا پورا چہرہ پسینہ میں بھیگتا جا رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ دیوار سے جا لگا۔ سجاد کے ہاتھ ڈاکٹر کی گردن کی طرف بڑے مضبوط ہاتھوں نے ڈاکٹر کی گردن دبانی شروع کر دی۔ ڈاکٹر کے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی اور اس نے مجنونانہ انداز میں سجاد کے ہاتھوں کو اپنی گردن سے الگ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

احمد منیر گردن موڑے دونوں کو الجھتے دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں روشنی کے دائرے سے باہر تھے۔ اس لئے احمد منیر کو اپنی آنکھوں پر زور ڈالنا پڑ رہا تھا۔ گردن موڑے موڑے درد ہونے لگا تھا۔ اس نے مجبور ہو کر سر میز پر ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر کے کان لڑنے والوں کی آوازوں پر لگا دیئے۔

اچانک میز پر جلنے والی فلڈ لائٹ بجھ گئی۔ ساتھ ہی چھوٹا بلب بھی بجھا دیا گیا۔ سوئچ کی آواز سن کر احمد منیر نے آنکھیں کھولیں لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا۔ کمرہ بالکل تاریک تھا۔

یکا یک کمرے میں ایک سرگوشی گونجی۔ ادھر دیکھو میری آنکھوں کی طرف۔ سرخ آنکھوں کی طرف تمہیں سرخ آنکھوں کا کہنا ماننا ہے۔ اب تم سو جاؤ گے۔ سو جاؤ۔ سو جاؤ۔ جاگو گے تو سرخ آنکھ کے بارے میں سب کچھ بھول چکے ہو گے۔ تم سرخ آنکھ سے کبھی نہیں ملے۔ کبھی نہیں ملے گی۔ کبھی نہیں۔ کمرے میں ہونے والی کشمکش سرگوشی کے فوراً بعد ختم ہو گئی تھی۔ اب صرف سرگوشی کمرے میں گونج رہی تھی۔

اچانک کمرے کے باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی بہت معمولی آہٹ۔ یکلخت سرگوشی بند ہو گئی۔ احمد منیر نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت بیرونی دروازہ کھلا اور دروازہ کے فریم میں کوئی کھڑا ہوا نظر آیا۔ باہر کی تیز روشنی سے آنے والے شخص کی آنکھیں۔ شاید کمرے کی تاریکی میں کچھ دیکھنے سے قاصر تھیں۔ چند لمحے دروازہ پر ہی رک کر اس نے کمرے کا فائزہ لینے کی کوشش کی پھر وہ تیر کی طرح احمد منیر کی طرف آیا۔ اور اس کے سرہانے کی طرف لپکا۔ احمد منیر کو اپنے سر کے پیچھے قدموں کی تیز چاپ سنائی دی۔ کسی دروازے کے بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی آٹو میٹک تالے کی کلک سنائی۔ اس کے فوراً ہی بعد کسی کے دروازہ پیٹنے کی آواز آئی۔ کوئی زیر لب بڑبڑایا۔ قدموں کی آواز سنائی دی۔ دوسرے لمحے کوئی احمد منیر پر جھک گیا۔ کھلے دروازہ سے آنے والی ہلکی روشنی میں اسے کالے سے رنگ کے نقاب میں لپٹا ہوا ایک چہرہ نظر آیا۔

وہ جو کوئی بھی تھا احمد منیر کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ آگے کو جھکا اور منیر کے مختلف حصوں کو ٹٹولنے لگا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سے اچانک روشنی کی ایک تیز لکیر سی پھوٹنے لگی۔ احمد منیر نے دیکھا کہ آنے والے کے چہرے پر براؤن نقاب ہے۔ کرنل براؤن۔ اس نے زیر لب کہا روشنی کی لکیر میز کے نیچے رینگ گئی۔

کھٹاک!

آہنی کڑے احمد منیر کے ہاتھ اور پاؤں سے غائب ہو گئے۔ دوسرے لمحے کمرے

میں روشنی بھی ہوگئی۔ احمد منیر اٹھ بیٹھا۔ نقاب پوش کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے شوخ آواز میں کہا۔

سیکرٹ فورس کے کرنل براؤن۔ بروقت آپکی آمد کا شکریہ۔

اوہ۔ بے اختیار نقاب پوش کے منہ سے نکلا۔ بہر حال شکر ہے خدا کا مجھے پہنچنے میں دیر نہیں ہوئی۔

ارے۔ ڈاکٹر کہاں گیا۔ احمد منیر نے کمرے میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کمرے میں اسکے اور کرنل براؤن کے علاوہ اور آدمی بھی تھے۔ سجاد اراسکا نگرانی کرنے والا دونوں بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔

اس طرف ایک اور دروازہ ہے۔ جسے دوسری طرف سے بند کر لیا گیا ورنہ میں اسے یا انہیں ضرور پکڑ لیتا۔

احمد منیر اس طرف دیکھنے لگا۔ جدھر کرنل براؤن نے اشارہ کیا تھا۔

وہ اب تک بھاگ گیا ہوگا۔ پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں۔ کہکر کرنل براؤن دروازے تک گیا اور ایک بارگی اس نے اپنے کندھے سے دروازہ پر ٹکر ماری۔ دروازہ بری طرح ہل کر رہ گیا۔ لیکن ٹوٹا نہیں، کرنل بلیو دوسری ٹکر کے لئے تیار ہونے لگا تو احمد منیر بھی اس کے برابر آ کھڑا ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور ایک ساتھ دروازہ پر ٹوٹ پڑے۔ اس بار دروازہ چرچرا اٹھا لیکن ٹوٹا نہیں۔

دوسری طرف سے ایک وحشیانہ قہقہہ کی آواز آئی۔

تم سرخ آنکھ کو اب کبھی نہ پا سکو گے۔ سرخ آنکھ رخصت ہو رہی ہے۔ قہقہہ کے بعد ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔

دونوں نے ایک بار پھر ایک ساتھ اپنے کندھے کی ٹکر ماری۔ اس مرتبہ دروازے میں تالے کے قریب شگاف پڑ گیا۔

اچھا دوستو۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر نے کہا۔

دروازہ پر ایک ٹکر اور پڑی۔ زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور دونوں دوسری طرف جا پڑے۔

دوسرے کمرے کے بیچ میں ڈاکٹر دروازہ کی طرف رخ کئے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ جس کا رخ اسکی طرف تھا۔ ان دونوں کے فرش سے اٹھنے سے پیشتر ہی اس نے ٹرائگر دبا دے۔ ڈاکٹر مجید کے سر کے پرخچے اڑ گئے۔ اسکا بیجان جسم تیورا کر فرش پر گرا اور تڑپنے لگا۔

اب کیا پروگرام ہے؟ کرنل براؤن نے احمد سے پوچھا۔ یہ تو گیا۔ اسکا اشارہ ڈاکٹر مجید کی طرف تھا۔

اب میں اپنے محکمہ کے متعلقہ افراد کو فون کر کے بلاؤنگا۔

فون بیرونی کمرے میں ہے۔ کہہ کر کرنل براؤن باہر کی طرف چل احمد منیر بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ بیرونی کمرے کا دروازہ کھولتے ہی دونوں کی نظر پر تین نقاب پوشوں پر پڑیں۔ تینوں کے ہاتھوں میں پستول تھے اور ان کی نالیں ان دونوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اوہ۔ بیک وقت تینوں نقاب پوشوں کے منہ سے نکلا۔ انھوں نے اپنے پستول جھکا لئے۔ احمد منیر نے دیکھا کہ تینوں کہ نقابوں اور دستانوں کا رنگ مختلف تھا۔

سیکرٹ فورس کے تین اور کرنل۔ کرنل بلیک۔ کرنل گرین اور کرنل وہائٹ۔

احمد منیر نے یکے بعد دیگرے تینوں کی طرف نظریں گھماتے ہوئے کہا۔

تینوں نے اپنی اپنی گردنوں کو ہلکا سا خم دیا۔

آپ فون کیجئے۔ ہم چلتے ہیں۔ کرنل براؤن نے احمد منیر سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ہمیں امید ہے کہ آپ ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کرینگے۔

احمد منیر کے اثبات میں سر ہلانے کے بعد یہ لوگ چلے گئے اور وہ ہیڈ کوارٹر فون کرنے لگا۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

☆جنرل روز

جنرل روز وہائٹ گینگ کے فائل کا آخری صفحہ پڑھ رہا تھا۔اس کیس پر مسٹر مائنڈ کا نوٹ تھا۔مسٹر مائنڈ سیکرٹ فورس کا دماغ تھا۔اس کی دوررس نظریں بڑی جلدی اور گہرائی کے ساتھ کسی معاملہ کے تمام پہلوؤں کو دیکھ لیتی تھی۔نوٹ کی عبارت کچھ یوں تھی۔

''وہائٹ گینگ ختم ہوگیا۔اس میں کوئی شک نہیں۔لیکن سرخ آنکھ کے بارے میں یقین نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بھی ختم ہوگئی یا باقی ہے۔

مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر مجھے اس کے خاتمہ پر شبہ ہے۔

(۱)ڈاکٹر مجید آسانی سے فرار ہوسکتا ہے۔لیکن وہ فرار نہیں ہوا بلکہ اس نے خود کشی کرلی۔خودکشی وہ لوگ کرتے ہیں جو مایوس ہوجاتے ہیں۔اس کی کسی بات سے مایوسی کا اظہار نہیں ہوا۔نہ سوچا جاسکتا ہے کہ وہ پاگل ہوگیا تھا۔وہ آخری وقت تک ہوش میں تھا۔اور بار بار سرخ آنکھ کے رخصت ہونے کا اعلان کررہا تھا۔ایس معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی سرخ آنکھ کا شکار تھا۔سرخ آنکھ نے لوگوں کو یہ باور کرانے کے لئے کہ سرخ آنکھ کا خاتمہ ہوگیا ہے۔اس کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے ہوں گے۔اور اسے خودکشی پر مجبور کردیا ہوگا۔

(۲)اپنے غلاموں کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا کہ وہ سرخ آنکھ کے نام پر دیے جانے والے احکامات کی تعمیل کریں۔یہ ظاہر کرتا ہے کہ سرخ آنکھ ہر ایک سے خود رابطہ نہیں رکھنا چاہتی تھی۔اگر وہ ہر ایک سے خود ہی رابطہ رکھنا پسند کرتی تو اس طریقہ کو کبھی اختیار نہ کرتی کیونکہ اس طریقہ کی وجہ سے جو خطرات ظاہر ہوئے اور جو نقصان سرخ آنکھ کو اٹھانا پڑے۔وہ کبھی نہ ہوتے یہ بات کہ ان امکانات سے وہ واقف نہ رہی ہوگی۔دل کو نہیں لگتی۔اپنی قوت اور اس کے استعمال سے ہر شخص واقف ہوتا ہے۔اس لئے ڈاکٹر مجید۔۔۔۔سرخ آنکھ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ وہائٹ

گینگ کے ہر ایک ممبر سے رابطہ قائم رکھتا تھا۔

(۳) جب سجاد ڈاکٹر مجید کا گلا گھونٹنے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا تو احمد منیر کے کہنے کے مطابق ڈاکٹر خود کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔ اگر وہ خود ہی سرخ آنکھ ہوتا تو بے بسی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چشمہ اتار کر بڑی آسانی سے اپنی قوت استعمال کر سکتا تھا۔ اسے پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ کمرے میں اندھیرا کرنیکے بعد اس نے اپنی قوت استعمال کی تب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اندھیرا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

(۴) ڈاکٹر کی موت کے بعد اس دولت کا پتہ نہیں چلا جو دوسرے بینکوں کو لوٹ کر حاصل کی گئی تھی۔ امکانات یہی ہیں کہ ہو رقم سرخ آنکھ کے قبضہ میں ہی ہو۔

اندھیرے کمرے میں جو ڈرامہ پیش آیا وہ کچھ یوں ہو سکتا ہے۔

سرخ آنکھ والا جو کوئی بھی تھا برابر والے کمرے میں موجود تھا۔ ڈاکٹر مجید کے چیخنے پر وہ کمرے میں داخل ہوا۔ خود کو احمد منیر کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لئے سب سے پہلے کمرے کی روشنی گل کی۔ سجاد کو اپنی قوت کے اثر میں لیا اور اسے سب کچھ بھولنے کی ہدایت کی۔ کمرے میں کرنل براؤن کے داخل ہونے پر وہ ڈاکٹر کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں اس۔

ڈاکٹر کو خودکشی کا حکم دیا اور خود کھڑکی کے راستے فرار ہو گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ڈاکٹر مجید نے فوراً ہی خودکشی کیوں نہیں کی۔

دروازہ ٹوٹنے کے بعد جب کرنل براؤن اور احمد منیر کمرے میں گہرے اس وقت خودکشی کیوں کی۔ اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ سرخ آنکھ نے اسکو خودکشی کے حکم کے ساتھ یہ بھی کہا ہوگا کہ جب کمرے میں کوئی داخل ہو اس وقت خودکشی کرنا۔ اور اس سے پہلے بار بار سرخ آنکھ کے رخصت ہونے کا اعلان کرتے رہنا۔ ڈاکٹر مجید

چو

نکہ پوری طرح جاس کے زیر اثر تھا اس لئے جو کچھ سرخ آنکھ کہہ کر گئی اس نے وہی کہا۔

بہر حال کچھ بھی ہو وہائٹ گینگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اس لئے اس کا فائل کلوز کر دیا جائے۔

جنرل روز نے کئی بار نوٹ کو پڑھا۔ سرخ آنکھ ختم ہو گئی۔ یا باقی ہے کہ سوال پر اچھی طرح غور کیا۔ آخر میز پر سے لال پنسل اٹھائی اور آخری صفحے پر ایک بڑا سا سوالیہ نشان بنایا اور فائل بند کر دی!!!

سرخ آنکھ ختم ہو گئی یا باقی ہے؟؟؟

---------------اختتام---------------